شعورِ فردا

شہیدِ کشمیر محمد مقبول بٹ شہیدؒ کے فکر انگیز خطوط

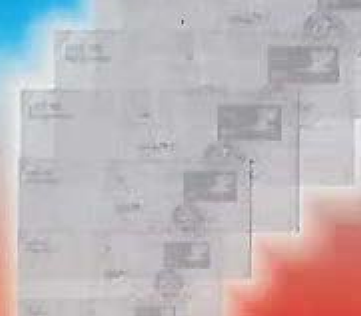

مرتب: محمد سعید اسعد

محکوم قوموں کی تحریک آزادی میں سیاسی، سفارتی اور مسلح جدوجہد کی طرح قلمی جدوجہد بھی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تحریک آزادی کشمیر کے قلمی محاذ پر محمد سعید اسعد ایک انتہائی سرگرم، حق گو، نڈر اور صاحب ایثار مجاہد کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اس امر کی گواہی ان کی دو درجن تصانیف و تالیفات دے رہی ہیں۔ شہید کشمیر مقبول بٹ شہید کے بھارت و پاکستان کی جیلوں سے اپنے دوست احباب کو لکھے گئے خطوط جمع کر کے انھیں "شعور فردا" کی صورت میں کشمیری عوام تک پہنچانے کا اہم فریضہ ادا کرنا سعید اسعد کا اہم کارنامہ اور تحریک آزادی کشمیر کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ "شعور فردا" کا بغور مطالعہ اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہی مقبول بٹ شہید کو بہترین خراج عقیدت اور محمد سعید اسعد کو خراج تحسین ہوگا۔

امان اللہ خان

خط شخصیت کا اصل آئینہ ہوتے ہیں۔ "شعور فردا" مقبول بٹ شہید کی شخصیت و کردار کا آئینہ ہے۔ محترم سعید اسعد نے یہ آئینہ ہمارے روبرو لا رکھا ہے۔ اس کے لیے پوری قوم ان کی شکر گزار ہے۔

پروفیسر افتخار مغل (مظفر آباد)

"شعور فردا" ہمارے تحریکی و فکری ادب کا لازوال شاہکار ہے۔ محمد سعید اسعد نے یہ شاہکار منظر عام پر لا کر کشمیری قوم پر عظیم احسان کیا ہے۔

ظہور احمد بٹ (مظفر آباد)

مقبول بٹ شہید کشمیریوں کے عظیم راہنما تھے۔ ان کی سوچ و فکر آزادی پسند کشمیریوں کے لیے راہنمائی کا درجہ رکھتی ہے۔ "شعور فردا" میں شامل شہید کشمیر کے خطوط ان کی عظیم سوچ، فکر اور شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں۔

عبدالحمید بٹ (میرپور)

جناب محمد سعید اسعد مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے غیر موافق حالات اور ذاتی مجبوریوں کے باوجود محمد مقبول بٹ شہیدؒ کے مکتوبات کو جمع کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے نہ صرف سنگ ریزوں سے اٹے ہوئے ساحلوں پر موتی ڈھونڈے بلکہ ان موتیوں کو "شعور فردا" کی صورت میں ایک خوبصورت لڑی میں بھی پرو دیا۔

غلام محمد صفی

فکرِ مقبول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباس

۱۔ "اس زنداں خانے میں بڑھتی ہوئی سختیوں اور روز افزوں پابندیوں کے بارے میں آپ کی تشویش قابل فہم ہے۔ مگر ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ زنداں آخر زنداں ہی تو ہے۔ رہی ہتھکڑیاں یہ تو ہمارا دل پسند زیور ہے۔ آپ شاید محسوس نہ کرتے ہوں مجھے تو ان ہتھکڑیوں سے پیار ہے اور اب تو ہم خاصے Jail Birds بن چکے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مہتاب باغ' سرینگر کا سنٹرل جیل' مظفر آباد کا ولائی کیمپ اور لاہور کا رسوائے زمانہ شاہی قلعہ بھی ہم سے ایمان وایقان کی قوت صلب نہ کر سکے"

(کوٹ لکھپت جیل لاہور سے ڈاکٹر فاروق حیدر کے نام خط۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۷۲ء)

۲۔ "حق و باطل کی کشمکش میں حق کا ساتھ دینے والے زندگی کا ایک الگ اور منفرد مفہوم رکھتے ہیں۔ اس مفہوم کا بیان اس مختصر سے خط میں ممکن نہیں تاہم میں یہاں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جس بازی کے لئے ہم زندگی داؤ پر لگا چکے ہیں اس کی نوعیت ایسی ہے کہ ہار کر بھی بازی میں مات نہیں۔ درحقیقت اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ انسان کامل شعور کے ساتھ زندگی کے مقاصد کی آبیاری کرتا رہے۔ اگر شعور و مقاصد کے عناصر کو زندگی سے خارج کیا جائے تو ایسی زندگی حقیقت میں موت کے مترادف ہو جاتی ہے۔ شعور و عمل کی موت ہی دراصل حقیقی موت ہوتی ہے"۔

(تہاڑ جیل دہلی سے ارشد محمود انصاری کے نام خط۔ ۲۹ مارچ ۱۹۸۱ء)

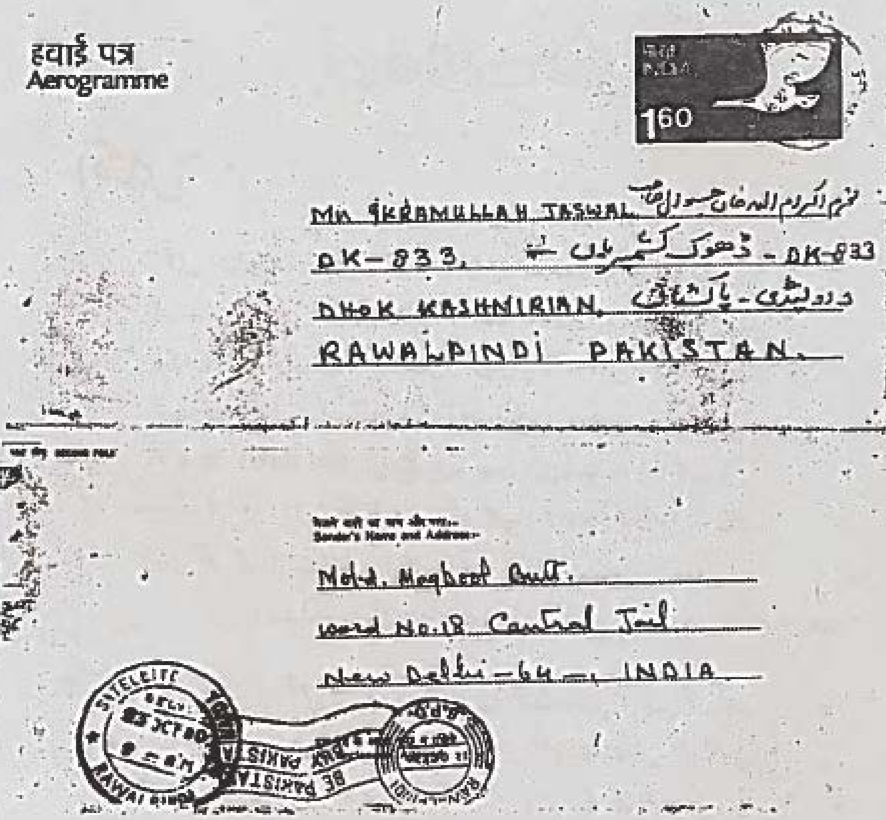

हवाई पत्र
Aerogramme

1.60

Mr. IKRAMULLAH JASWAL مکرم اکرام اللہ خان جسوال صاحب

DK-833, ڈھوک کشمیریاں DK-833

DHOK KASHMIRIAN, راولپنڈی - پاکستان

RAWALPINDI PAKISTAN.

Sender's Name and Address:-

Mohd. Maqbool Butt.

Ward No. 18 Central Jail

New Delhi-64 - INDIA

توجہ فرمایئے

کشمیر کے علمی' ادبی' تاریخی' تہذیبی اور ثقافتی سرمائے کو بچانے کے لئے آزاد کشمیر میں گذشتہ پچاس برس کے دوران کوئی حکومتی ادارہ قائم نہ کیا گیا جس کے سبب آزاد کشمیر کی نئی نسل اپنے علمی ورثے سے محروم رہی۔ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز ایک غیر حکومتی ادارہ ہے جو اپنی مدد آپ کے تحت اس مجرمانہ غفلت کا ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ ادارہ ہذا کئی اہم تحقیقی منصوبوں پر کام کر رہا ہے جس کیلئے مخیر حضرات کا تعاون درکار ہے۔

شکریہ

شعورِ فردا

(شہید کشمیر مقبول بٹ شہیدؒ کے فکر انگیز خطوط)

مرتب

محمد سعید اسعد

نیشنل انسٹیٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز - میرپور

ہماری تحقیقی و فکری کاوشوں کا مقصد یہ ہے کہ کشمیر کی نئی نسل کو اس عظیم قومی سرمائے کی تباہی کا احساس دلایا جائے جو غیر ملکی تسلط کے سبب برباد ہو رہا ہے

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب — شعورِ فردا

مرتّب — محمد سعید اسعد

اشاعت اوّل — فروری 1998

اشاعت دوم — جنوری 2001

اشاعت سوم — دسمبر 2008

سرورق — اشفاق احمد قریشی

ناشر — نیشنل انسٹیٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز میرپور

قیمت — 200 روپے

ڈسٹری بیوٹر

نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز

ہاؤس نمبر D-8 سیکٹر A/5 میرپور جموں کشمیر

058610-84874

انتساب

پنجاب یونیورسٹی شعبہ کشمیریات کے اساتذۂ کرام........................

پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف بخاری

پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

پروفیسر محمد اسلم

پروفیسر خواجہ حمید یزدانی

پروفیسر احسان الٰہی سالک

پروفیسر نیر صمدانی

پروفیسر اشرف قریشی

اور جناب کلیم اختر (مرحوم)............... کے نام

جن کے فیضان نظر سے میں علمی' ادبی اور تحقیقی کاموں کی طرف متوجہ ہوا۔

محمد سعید اسعد

نقشِ ثالث

محمد مقبول بٹ شہیدؒ کے خطوط پر مشتمل کتاب ''شعورِ فردا'' راقم نے چند برس کی تحقیق وتلاش کے بعد فروری 1998 میں کتابی صورت میں شائع کی تھی۔ پاکستان کی نالائق ، نا اہل اور کشمیریوں کی بدترین دشمن خفیہ ایجنسیوں اور بیوروکریسی کے ایماء پر وزارتِ داخلہ حکومتِ پاکستان نے 21 اگست 1998 کو ایک حکم نامے کے ذریعے اس پر پابندی عائد کردی اور پاکستانی مقبوضہ کشمیر کی کٹھ پتلی حکومت نے اس حکم نامے پر عمل درآمد کرتے ہوئے کتب فروشوں سے پولیس چھاپوں کے ذریعے کتاب ضبط کرلی اور راقم کو خوف وہراس اور دھمکیوں کے ذریعے مرعوب کرنے کی کوشش کی گئی۔ حکومتِ پاکستان اور اس کی کٹھ پتلیوں کے اس اقدام کو ریاست بھر میں اور دنیا بھر میں آباد غیرت مند کشمیریوں نے بڑے پیمانے پر رد کیا۔ یہ یقیناً پہلا موقع تھا کہ جدوجہد آزادی کشمیر کے قلمی وفکری محاذ پر کی گئی اس کوشش کے دفاع میں نئی نسل سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی اور ''شعورِ فردا'' کو بے پناہ مقبولیت اور شہرت ملی۔ اس کتاب کی مانگ اور مقبولیت کے پیش نظر جنوری 2001 میں اسے دوبارہ شائع کیا گیا۔ اس ایڈیشن پر جنرل مشرف کے آمرانہ دور میں دوبارہ پابندی عائد کر دی گئی۔ اس پابندی کے خلاف بھی سخت ردِ عمل ہوا۔

یہ شہیدِ کشمیر محمد مقبول بٹ شہیدؒ کے سچے نظریات کی مقبولیت ہے کہ ''شعورِ فردا'' کی ڈیمانڈ مسلسل بڑھتی رہی ہے۔ الحمد اللہ یہ کتاب اب تیسری بار شائع کی جارہی ہے۔ ہم رُکنے، بکنے، جھکنے یا ڈرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ حق وباطل کے اس معرکے میں انشاء اللہ فتح حق کی ہوگی۔

شعورِ فردا پر پابندی اور اس کے خلاف عوامی ردِ عمل کو الگ کتابی صورت میں جلد منظرِ عام پر لایا جائے گا۔ (انشاء اللہ)

محمد سعید اسعد
میرپور
058610-84874

فہرست

احساسِ زیاں	محمد سعید اسعد	9
روحِ سفر	محمد سعید اسعد	17
مقبول بٹ شہید (شخصیت، جدوجہد، نظریات)	محمد اشرف قریشی	21
متاعِ شعور کا پاسباں	شوکت مقبول بٹ	31
خراجِ تحسین	جی ایم مفتی، صابر انصاری ایڈووکیٹ	33
خطوط بنام	تاریخ تحریر (زمانی ترتیب)	
1۔ جی ایم مفتی	۱۷۔اگست ۱۹۵۹ء	35
2۔ جی ایم مفتی	۲۲۔مئی ۱۹۶۰ء	38
3۔ عبدالخالق انصاری	۲۲۔دسمبر ۱۹۷۰ء	41
4۔ ڈاکٹر فاروق حیدر	۱۵۔ستمبر ۱۹۷۲ء	42
5۔ محمد یوسف زرگر	۳۰۔جنوری ۱۹۷۳ء	45
6۔ عف	۲۔اپریل ۱۹۷۳ء	51
7۔ ڈاکٹر فاروق حیدر	۹۔جنوری ۱۹۷۴ء	61
8۔ شوکت مقبول بٹ	۱۳۔مئی ۱۹۷۹ء	62
9۔ عفت فاروق حیدر	۲۱۔جون ۱۹۷۹ء	65
10۔ عبدالعزیز بٹ	۱۹۔ستمبر ۱۹۷۹ء	67
11۔ عبدالعزیز بٹ	۱۷۔جنوری ۱۹۸۰ء	72
12۔ ملک محمد اصغر	۶۔مارچ ۱۹۸۰ء	75
13۔ اکرام اللہ جسوال	۲۔مئی ۱۹۸۰ء	78
14۔ محمد عارف	۸۔اکتوبر ۱۹۸۰	84
15۔ جاوید مقبول بٹ	۹۔اکتوبر ۱۹۸۰ء	87
16۔ اکرام اللہ جسوال	۱۵۔اکتوبر ۱۹۸۰ء	90
17۔ محمد عارف	۳۔دسمبر ۱۹۸۰ء	93
18۔ ارشد محمود انصاری	۱۳۔دسمبر ۱۹۸۰ء	96

19۔ محمد عارف	۱۶۔جنوری ۱۹۸۱ء	99
20۔ ارشد محمود انصاری	۳۔فروری ۱۹۸۱ء	102
21۔ ملک محمد اعجاز	۳۔فروری ۱۹۸۱ء	104
22۔ اکرام اللہ جسوال	۲۷۔فروری ۱۹۸۱ء	107
23۔ ملک غلام سرور	۲۷۔فروری ۱۹۸۱ء	110
24۔ ارشد محمود انصاری	۲۹۔مارچ ۱۹۸۱ء	112
25۔ ڈاکٹر فاروق حیدر	اپریل ۱۹۸۱ء	114
26۔ ملک غلام سرور	۳۱۔مئی ۱۹۸۱ء	117
27۔ راجہ مظفر خان	۵۔جون ۱۹۸۱ء	119
28۔ اکرام اللہ جسوال	۱۷۔جون ۱۹۸۱ء	122
29۔ محمد عارف	۲۰۔جون ۱۹۸۱ء	124
30۔ میاں غلام سرور	۷۔اگست ۱۹۸۱ء	127
31۔ ملک غلام سرور	۱۵۔اگست ۱۹۸۱ء	133
32۔ راجہ مظفر خان	۱۵۔اگست ۱۹۸۱ء	136
33۔ رشید ظفر	۱۵۔اگست ۱۹۸۱ء	139
34۔ ملک محمد اصغر	۱۸۔اگست ۱۹۸۱ء	141
35۔ ڈاکٹر فاروق حیدر	۲۵۔اگست ۱۹۸۱ء	146
36۔ میاں غلام سرور	۱۵۔اکتوبر ۱۹۸۱ء	149
37۔ ڈاکٹر فاروق حیدر	۲۰۔جون ۱۹۸۲ء	151
38۔ ملک غلام سرور	۲۰۔جون ۱۹۸۲ء	153
39۔ ماسٹر محمد مقبول	۲۳۔مئی ۱۹۸۳ء	156
40۔ ڈاکٹر فاروق حیدر	۸۔ستمبر ۱۹۸۳ء	161
تعارف مکتوبات اعظم	ادارہ	163
شعور فردا پر پابندی اور قلم کاروں کا ردِعمل		168

احساسِ زیاں

غلامی کا ایک بد ترین پہلو' اس کا افرادِ قوم کے دل و دماغ سے احساس کا خاتمہ کرنا ہے۔ جب سود و زیاں' فتح و شکست' عزت و ذلت' فخر و ندامت اور آزادی و محکومی کا احساس ختم ہو جائے تو پھر انسان' انسان نہیں رہتا حیوان بن جاتا ہے۔ جو محض کھانے پینے اور چلنے پھرنے کے لئے جیتا ہے۔ غلامی اور حیوانیت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ احساس دونوں حالتوں میں مفقود ہوتا ہے۔ غلام اپنی مرضی و منشا سے کچھ بھی نہیں کر سکتا' نہ سوچ سکتا ہے' نہ بول سکتا ہے۔ نہ اظہار کر سکتا ہے' نہ چل پھر سکتا ہے۔ بعینہٖ حیوان بھی مجبور ہوتا ہے۔ وہ اپنے مالک کا دستِ نگر ہوتا ہے۔ اس کی نظر کرم کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کی عنایات کا منتظر رہتا ہے۔ وہ کلے سے بندھا اپنے مالک کی جھولی کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔ غلام بھی اپنے آقا کا محتاج ہوتا ہے اور اس کی مرضی و منشا کے مطابق کام کرتا ہے۔ مالک کی فرمانبرداری کرنا اور اس کے اشاروں پر چلنا غلام کی مجبوری ہوتی ہے۔

غلامی ایک فرد کی ہو یا پوری قوم کی' اس کا ذمہ دار خود انسان ہے۔ دنیا کا خوبصورت ملک کشمیر اور اس میں بسنے والی ذہین اور حسین و جمیل قوم صدیوں سے غلام ہے۔ کشمیر کے فطری حسن' اس کے بے پناہ وسائل اور اس کے سینے میں چھپے قدرتی خزانوں کے قصے جس جس طالع آزما نے بھی سنے' اس نے کشمیر کو فتح کرنے اور اسے اپنا غلام بنانے کی کوشش کی۔ کشمیر علم و ادب' تہذیب و تمدن' فن و ثقافت اور امن و آشتی کا گہوارہ تھا لیکن جب اس کی شہرت کے قصے ہوس پرستوں تک پہنچے تو وہ تیر و تفنگ اور گولہ بارود لے کر اس دھرتی پر چڑھ دوڑے اور نہایت سفاکیت کے ساتھ اسے اپنے ناپاک قدموں تلے روند ڈالا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ظالم حملہ آوروں نے بیسیوں بار اس دھرتی کو اجاڑا لیکن فطرت نہ جانے کیا سوچ کر اسے بار بار آباد کرتی رہی۔

لاکھوں سورج نکلے ڈوبے پھر بھی وہی ہے ربطِ جمال
پہلے بھی تھی پھول پہ شبنم' پھول پہ شبنم آج بھی ہے

غیر ملکی حکمرانوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ کشمیر کا اپنا تشخص مٹ جائے۔ اس کی پہچان باقی نہ رہے۔ اس کی تہذیب و ثقافت' اس کا علم و ہنر اور اس کی روایات و اقدار خاک میں ملا دی جائیں کیونکہ انہی چیزوں کے مٹ جانے سے قوموں کا تشخص مٹ جاتا ہے۔ بے شعور انسانوں کے ہجوم یا آبادیاں کسی قوم کا تشخص برقرار رکھنے میں کوئی کردار ادا نہیں کرتے۔ کشمیر کے قومی تشخص کو مٹانے کیلئے غیر ملکی حکمران طرح طرح کے منصوبے بناتے رہے۔ یہ منصوبہ بندی پچھلے چار سو برس سے جاری ہے۔ یہ مقابلہ عجیب نوعیت کا ہے۔ ایک لشکر حملہ آور ہوتا ہے تو اس کے مدمقابل کوئی ایک جانباز آتا ہے۔ وہ تن تنہا لڑتا ہے۔ بے جگری سے اور بے خوفی سے لڑتا ہے۔ نہ جھکتا ہے' نہ بکتا ہے' نہ تھکتا ہے۔ لڑتے لڑتے کٹ کر گر جاتا ہے۔ حملہ آور اپنی فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑتے ہیں۔ شادیانے بجاتے ہیں اور خوشی سے رقص کرتے ہیں۔ یہ رقص جب اپنے عروج پر پہنچتا ہے تو کوئی سرفروش پھر نذرانہ جاں لے کر سر محفل آجاتا ہے۔ وہ للکارتا ہے' صدائے حریت بلند کرتا ہے۔ خوشی بانٹنے والے ان جھوٹے ناخداؤں کی ساری محنت خاک میں ملا دیتا ہے۔ "بغاوت" کے اس جرم کی پاداش میں اس سرفروش کو اپنی جان کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ یہ سرفروش اپنے نقش پا چھوڑ جاتا ہے۔ ایک لشکر پھر دندناتا ہوا آتا ہے۔ وہ سرفروش کے نقش پا مٹاتا ہے اور پھر تباہی پر اتر آتا ہے۔ یہ لشکر اس دھرتی سے تہذیب و ثقافت اور علم و ادب کے بچے کھچے نشانات مٹانے آیا ہے۔ گلی گلی میں چتائیں بھڑکائی جاتی ہیں۔ جن میں اس دھرتی کے حاکم اپنے ہاتھوں سے علمی' ادبی' تہذیبی اور ثقافتی ورثے کو نذر آتش کرتے ہیں۔

شعور کی آنکھ دیکھ رہی ہے۔ حساس دل تڑپ رہا ہے۔ حاکموں کے لشکر جگہ جگہ آگ بھڑکا رہے ہیں' لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ خوشی اور مسرت کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان کے غلام ان کے ساتھ ہیں۔ غلام اپنے حاکموں کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ ان کی فرماں برداری میں جتے ہوئے ہیں' ان کی خدمت بجا لا رہے ہیں۔ اس خدمت کے

صلے میں نوازشات و انعامات سمیٹ رہے ہیں۔ لیکن شعور اندھا نہیں ہے وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ حساس دل پوچھتا ہے کشمیر میں یہ چنا کب سے جل رہی ہے؟ اس جنت ارضی کا ماضی، حال اور مستقبل کون نذرِ آتش کر رہا ہے؟ خدمت پر کون مامور ہے؟ اور جو کچھ نذرِ آتش ہو رہا ہے اسے بچانا کس کس کی ذمہ داری ہے؟

گذرے ہوؤں کے نقش قدم تلاش کرنا "کھوئے ہوؤں کی جستجو" کرنا اور سنگ ریزوں سے اٹے ہوئے ساحلوں پر موتی ڈھونڈنا میری زندگی کا معمول بن گیا ہے۔ میں جس قوم کا فرد ہوں اس کے دامن میں علم و ہنر، تہذیب و تمدن، فن و ثقافت اور تاریخ و ادب کے لعل و گوہر کی کوئی کمی نہ تھی لیکن جب اس جھولی میں سوچھید ہوئے تو یہ موتی بکھرتے اور گم ہوتے چلے گئے۔ غلامی اور غفلت نے یہ احساس ہی نہ ہونے دیا کہ جھولی تار تار ہو گئی ہے اور متاع چھن گئی ہے۔

پنجاب یونیورسٹی میں ایم۔ اے۔ کشمیریات کا طالب علم ہونے کے زمانے میں میرا یہ احساس شدت اختیار کر گیا کہ وطن عزیز جموں کشمیر کی علمی و فکری میراث کو بچانے اور اسے آئندہ نسلوں تک بحفاظت پہنچانے کیلئے تحریک شروع کی جائے۔ چنانچہ گذشتہ دس برس سے میں اسی جدوجہد میں مصروف ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کے یہ قیمتی برس اسی عشق کی نذر کر دیے۔ غیر موافق حالات اور ذاتی مجبوریوں کے باوجود میں نے جو کچھ جمع کیا ہے وہ میرے پاس قوم کی امانت ہے۔ انشاء اللہ وقتاً فوقتاً میں یہ امانت قوم کو لوٹاتا رہوں گا۔

طالبعلمی کے زمانے میں تحقیقی کام کرتے ہوئے شہید کشمیر مقبول بٹ" کے تہاڑ جیل دہلی سے لکھے گئے خطوط کے کچھ اقتباسات میری نظر سے گذرے۔ یہ اقتباسات دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ اس شخصیت کے خطوط بلاشبہ قیمتی اثاثہ ہیں، کیوں نہ انھیں تلاش کیا جائے۔ چنانچہ میں نے خطوط کی تلاش شروع کر دی۔ میں شہید کشمیر کے قریبی دوستوں کے پاس گیا۔ انھیں اپنا مدعا بیان کیا تو ایک صاحب فرمانے لگے: "آپ کیا جمع کر رہے ہیں؟ بٹ صاحب نے تو تہاڑ جیل سے ایک آدھ خط لکھا تھا وہ بھی انہوں نے مجھے لکھا تھا" میں نے بصد اشتیاق پوچھا "کیا وہ آپ کے پاس محفوظ ہے؟" "نہیں اس میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی، میں کہاں سنبھال کر رکھتا" میں بٹ صاحب کے

ایک تعلق دار سے ملا۔ حاضر ہونے کا مقصد بتایا تو فرمانے لگے "بٹ صاحب نے جیلوں سے جو خط لکھے ہیں ان میں بڑی خطرناک باتیں تھیں۔ آپ نے جمع کیے تو سیکورٹی والے آپ کو گرفتار کرلیں گے"۔

میں ایک اور صاحب کے پاس گیا وہ اپنے آپ کو بٹ صاحب کا رشتہ دار بتاتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کافی سوال و جواب کیے۔ تھوڑی دیر توقف کے بعد فرمانے لگے "میں نے ضروری کام کے سلسلے میں اس وقت کہیں جانا ہے آپ پھر کسی روز آئیں۔" بعد ازاں میں کئی بار ان صاحب سے ملنے گیا۔ ہر بار جواب ملتا "صاحب بہادر گھر پر نہیں ہیں"۔ میں بٹ صاحب کے ایک اور ملنے والے کے پاس گیا۔ ان سے اپنا مدعا بیان کیا تو سہم کر کہنے لگے "بھائی صاحب! ہمیں بٹ صاحب کے ساتھ چلنے پھرنے کی سخت سزائیں دی گئی ہیں۔ اب آپ کہاں سے آگئے ہیں"۔ سو ایسے ایسے لوگوں سے مل کر میں کسے قصوروار ٹھہراتا اور کس کس سے گلہ کرتا۔

کچھ لوگ اتنے خوف زدہ تھے کہ وہ مجھے اس کام میں مصروف دیکھ کر مجھ سے ملنا بھی جرم سمجھتے۔ ان کا خیال تھا کہ میں انتہائی خطرناک آدمی ہوں اور کسی خفیہ سرگرمی میں ملوث ہوں۔

اس آپ بیتی کا دوسرا رخ بھی ذرا ملاحظہ فرمائیں۔

تین برس قبل مجھے پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی صاحب کے کاغذات دیکھتے ہوئے مقبول بٹ شہید کا ایک خط ہاتھ لگا۔ یہ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا جو انہوں نے ۱۹۷۳ء میں گنگا ہائی جیکنگ کیس کے سلسلے میں اسیری کے دوران کوٹ **لکھپت** جیل سے جی ایم میر صاحب کی بیٹی عذرا کو لکھا تھا۔ میں نے جب یہ خط دیکھا تو علوی صاحب کو بتایا۔ انہوں نے خط مجھ سے لے لیا اور کہنے لگے۔ "یہ آپ کے کام کی چیز نہیں ہے" میں احتراماً خاموش ہو گیا۔ دو روز بعد پھر حاضر ہوا۔ میں نے پوچھا "کیا آپ نے خط پڑھا تھا" فرمانے لگے "ہاں پڑھا تھا لیکن آپ کو اس خط سے کیا غرض ہے" میں نے عرض کیا بس ویسے ہی خیال آیا تھا اور پوچھ لیا ہے آپ ناراض نہ ہوں"۔ میں کچھ دنوں بعد پھر حاضر خدمت ہوا۔ خط کا ذکر چھیڑ دیا تو پیر صاحب پھر غصے میں آگئے اور فرمانے لگے "آپ کسی کے خط کی بے پردگی کیوں کرتے ہیں" میں شرمندہ ہوا اور عرض کی "جناب

بٹ صاحب کا خط ہے۔ مجھے بھی شوق ہے' پڑھنا چاہتا ہوں" لیکن پیر صاحب خط دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ میرا تجسس دن بدن بڑھتا چلا گیا۔ میں ہر دوسرے تیسرے روز پیر صاحب کے پاس چلا جاتا۔ چند ملاقاتوں میں دانستہ خط کا ذکر نہ کیا۔ آخر کب تک صبر کرتا۔ ایک دن پھر میں نے پیر صاحب کے حضور خط پڑھنے کی التجا کر دی تو فرمانے لگے "آپ کو خط باہر لے جانے کی ہرگز اجازت نہیں یہیں بیٹھ کر جلدی جلدی پڑھ لیں"۔ میں جب آٹھ صفحات پر مشتمل یہ خط پڑھ کر فارغ ہوا تو میرا سارا بدن پسینے سے شرابور ہو چکا تھا۔ میں نے خط واپس پیر صاحب کو دیا اور اٹھ کر چلا گیا۔ میں نے دل میں ٹھان لی کہ مجھے ہر قیمت پر یہ خط حاصل کرنا ہے۔

بالآخر دس ماہ کی جدوجہد کے بعد علوی صاحب اس بات پر رضامند ہو گئے کہ میں یہ خط سعید اسعد کو تو نہیں دوں گا البتہ مقبول بٹ شہید کے بھائی ظہور بٹ کو دے دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے یہ خط ظہور بٹ کو دیا۔ وہاں سے مجھے بھی مل گیا۔ یوں یہ تاریخی خط پہلی بار منظر عام پر آیا۔

مقبول بٹ شہید کے دو خطوط مجھے جی ایم مفتی نے دیئے۔ جو ان کے نام لکھے گئے ہیں۔ یہ نجی خطوط ہیں اور اس دور کے ہیں جب بٹ صاحب پشاور میں روزنامہ انجام میں بطور صحافی کام کرتے تھے۔ ان میں سے ایک خط شامل اشاعت ہے۔ جی ایم مفتی صاحب کے پاس بٹ صاحب کا ایک طویل خط تھا لیکن تلاش بسیار کے باوجود یہ خط دستیاب نہ ہو سکا۔

آزاد کشمیر یونیورسٹی شعبہ باٹنی کے استاد پروفیسر شفیق الرحمٰن کے بقول بٹ صاحب کے دو خطوط ان کے نام بھی تھے لیکن پروفیسر صاحب کی عدیم الفرصتی کے باعث یہ خطوط تلاش نہ کیے جا سکے۔ حالانکہ میں نے ان کے یہاں بیسیوں چکر لگائے۔ مقبول بٹ شہید کے ایک ساتھی ریاض ڈار کے والد کے نام بٹ صاحب نے چند خطوط تہاڑ جیل سے لکھے تھے لیکن ریاض ڈار نے بار بار اصرار کے باوجود یہ خطوط مہیا نہ کیے۔ بٹ صاحب کے مکاتیب کی تلاش میں میری ملاقات کئی ایسے احباب سے ہوئی جنھوں نے بتایا کہ ان کے پاس کچھ خطوط تھے جو ہاشم قریشی (ہالینڈ) لے گئے تھے لیکن انہوں نے واپس نہیں کیے۔

مقبول بٹ شہید نے مقبوضہ کشمیر میں اپنے بھائی غلام نبی بٹ کو کئی خطوط لکھے جو محفوظ تھے۔ بٹ صاحب کے برادر اصغر ظہور بٹ کی وساطت سے میں نے وہ خطوط منگوانے کی بارہا کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔ غلام نبی بٹ بھی حالیہ تحریک میں شہید ہو گئے۔ نہ جانے وہ خطوط کہیں محفوظ ہیں یا ضائع ہو گئے۔

آفرین ہے ان لوگوں پر جنھوں نے مقبول بٹ شہید کے خطوط سنبھال کر رکھے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر فاروق حیدر صاحب کا نام سرفہرست ہے۔ اس مجموعے کیلئے بیشتر خطوط انھی نے مہیا کیے۔ مقبوضہ کشمیر کے میاں غلام سرور کے نام بٹ صاحب کے دو خطوط پروفیسر شفیق الرحمٰن صاحب سے ملے جو سری نگر سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ مقبول بٹ شہید کے نظریاتی کارکن میر آزاد بصیر نے مجھے ارشد محمود انصاری اور محمد عارف کے نام لکھے گئے خطوط کی نقول مہیا کیں۔ ان خطوط کو جمع کرنے کے سلسلے میں جن دیگر دوست احباب نے تعاون کیا ان میں جی ایم میر' راجہ مظفر خان' ماسٹر محمد افضل' شوکت مقبول' جاوید مقبول' ماسٹر مقبول خان اور یوسف زرگر قابل ذکر ہیں۔

لاہور میں مقیم مقبول بٹ شہید کے ایک مخلص اور بے لوث کارکن عاجز کاشمیری صاحب نے چند برس قبل مجھے بٹ صاحب کے حوالے سے لکھی گئی عباس احمد آزاد کی کتاب عنایت کرتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا تھا کہ میں بٹ صاحب کے حوالے سے کوئی ٹھوس کام کروں گا۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے عاجز کاشمیری صاحب کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب ھذا کی کمپوزنگ اور طباعت کے معاملات میں مسعود الرحمن کاشمیری صاحب کا تعاون حاصل رہا میں ان کا بھی شکرگزار ہوں۔

مقبول بٹ شہید کے یہ تاریخی خطوط جمع کرنے اور انھیں شائع کرنے کا اعزاز مجھ ناچیز کے حصے میں آیا ہے۔ یہ خطوط مرتب کرتے وقت نہایت احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ ہر خط لفظ بہ لفظ شائع کیا جائے اس میں کسی قسم کا ردوبدل نہ ہو۔ سوائے ایسی باتوں کے جو وضاحت طلب تھیں' حاشیے میں ان کی وضاحت کر دی ہے۔ بٹ صاحب نے چونکہ اپنے ہر خط کے شروع میں بسم اللہ

الرحمن الرحیم لکھی ہوئی ہے اس لئے اسے بھی کاٹنا مناسب نہیں تھا۔ باذوق قارئین کے افادے کیلئے عکس تحریر بھی دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں خطوط کو زمانی ترتیب دی گئی ہے تاکہ شہید کشمیر کو پس دیوار زنداں پیش آمدہ حالات و واقعات کا تسلسل بھی قارئین کے پیش نظر رہے۔

چونکہ خط شخصیت کا اصل اور حقیقی آئینہ ہوتا ہے اس لئے کسی شخصیت کو صحیح طور پر سمجھنے کیلئے اس کے خطوط بہترین معاون ہوتے ہیں۔ مقبول بٹ کی شخصیت کا حقیقی رنگ وہی ہے جو ان کے خطوط میں ملتا ہے۔ شاید بٹ صاحب کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ کال کوٹھڑیوں سے لکھے گئے ان کے یہ خطوط ہمارے لئے کتنا گراں بہا اثاثہ ثابت ہونگے اور پوری قوم ان سے فیض حاصل کرے گی۔ مجھے امید ہے کہ ان خطوط کے مطالعہ سے مقبول بٹ شہید کی شخصیت کی تفہیم آسان ہو جائے گی۔ ان کی ذات' صفات' خیالات اور افکار و نظریات کی حقیقی صورت سامنے آئے گی۔ ان خطوط کے مطالعے سے شہید کشمیر کے بارے پھیلائی گئی غلط فہمیاں بھی دور ہوں گی۔ کشمیر کی نوجوان نسل ان خطوط کے مطالعے سے یقیناً مثبت اثر لے گی اور اپنے افکار و عمل کو نئے انداز سے بروئے کار لائے گی۔

یہ خطوط طبع لطیف رکھنے والوں کیلئے بھی دلچسپی کا سامان رکھتے ہیں۔ ادبی چاشنی اور لذت تحریر سے یہ خطوط خالی نہیں ہیں۔ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نظریاتی تحریک کا علمبردار ہونے کے ناطے اس بطل جلیل کے خطوط نظریاتی لوگوں کیلئے بھی سامان تسکین رکھتے ہیں۔

مقبول بٹ شہید نے تہاڑ جیل میں ۸ سالہ قید تنہائی کے دوران اپنے دوستوں کو بیسیوں خطوط لکھے لیکن افسوس ان خطوط کو سنبھال کر نہ رکھا گیا اور یہ دست برد زمانہ کی نذر ہو گئے۔ یہ کتنی قیمتی میراث تھی جو ہماری بے حسی کی بھینٹ چڑھ گئی۔

افسوس! ہندوستان اور پاکستان کے سرکاری اہل کاروں نے سنسر شپ کی آڑ میں شہید کشمیر کے بہت سے خطوط ضبط کر لئے اور متعلقین تک پہنچنے ہی نہ دیئے۔ شہید نے تہاڑ جیل دہلی سے جو خطوط لکھے وہ تمام کے تمام سو صفحے پر مشتمل ایروگرام پر لکھے گئے ہیں اس ایروگرام کے حصول کیلئے انھیں باقاعدہ عدالتی لڑائی لڑنا پڑی۔ پھر بھی

ایک اریوگرام کے حصول کیلئے بسا اوقات کئی کئی ہفتے لگ جاتے۔ جب ایک آدھ اریوگرام ہاتھ آتا تو اس کی تنگ دامنی آڑے آجاتی۔ تماڑ جیل سے بھیجے گئے اریوگرام کے مشاہدے سے پتا چلتا ہے کہ جونہی بٹ صاحب کھل کر اظہار خیال کرنے لگتے اریوگرام کا صفحہ ختم ہو جاتا اور وہ اپنا آخری پیراگراف ان الفاظ سے شروع کر دیتے۔ "باقی حالات جوں کے توں ہیں۔ ایام اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں" اریوگرام میں کوئی اضافی کاغذ ڈالنے کی بھی پابندی عائد تھی۔

وطن سے سینکڑوں میل دور دیار غیر میں مقید اس عظیم حریت پسند' دانشور اور فلسفی انسان پر اگر قلم و کاغذ کی عدم دستیابی کا عذاب مسلط نہ کیا جاتا تو یہ اپنے خیالات و نظریات کا کتنا عمیق سمندر ہمارے لئے چھوڑ جاتا۔ افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا' تاہم جو بھی تھوڑا بہت ہمارے حصے میں آیا اس میں ہماری راہنمائی اور ہدایت کا وافر سامان موجود ہے۔ خطوط کا یہ عشر عشیر' معجزانہ طور پر بچے ہوئے اوراق تھے جنھیں بروقت جمع کر لیا گیا ہے وگرنہ چند برس بعد یہ بھی معدوم ہو جاتے۔

ممکن ہے ابھی کئی اور خطوط کسی صاحب کے پاس محفوظ ہوں لیکن میری رسائی ان تک نہ ہو سکی ہو۔ مجھے ان لوگوں سے دلی شکوہ ہے جنھوں نے محض سستی اور کاہلی کے سبب نہ تو خود خطوط تلاش کرنے کی زحمت کی اور نہ مجھے اپنا ریکارڈ ہی دکھایا۔ اگر وہ اس رویے کا مظاہرہ نہ کرتے تو یقیناً قیمتی مواد ہاتھ لگتا۔ بہرحال اس کتاب کی اشاعت کے بعد مزید خطوط کے حصول کا امکان باقی ہے اس سلسلے میں قارئین سے تعاون کی امید ہے۔

آیئے ہم یہ عہد کریں کہ:

"ہم اپنے وطنِ عزیز جموں کشمیر کے علمی' ادبی اور تاریخی سرمائے کو بچانے کیلئے ہر ممکن کوشش کریں گے' اپنی عظمت رفتہ کو بحال کریں گے' اپنے تشخص کی جنگ جاری رکھیں گے اور وطن کی وحدت اور آزادی کے لئے اپنی ہر خوشی قربان کریں گے"۔

"وما توفیقی الا باللہ"

محمد سعید اسعد

روحِ سفر

فروری ۱۹۹۵ء کو رمضان شریف کا بابرکت مہینہ تھا۔ مظفر آباد میں یخ بستگی چھائی ہوئی تھی۔ اس سال شہر میں ۱۲ برس کے طویل وقفے بعد برف باری بھی دیکھنے میں آئی تھی۔ میں ان دنوں اپنے ایک دوست انور جاوید کے ہمراہ جلال آباد میں کرائے کے مکان میں رہتا تھا۔ ہم دونوں نے سحری کھا کر نماز فجر ادا کی اور پھر لحاف اوڑھ لئے۔ کمرے میں ہیٹر جل رہا تھا۔ بڑی پراسرار خاموشی اور سکون کی کیفیت تھی۔ اس عالم میں میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا---- ایک حسین خواب---- ایک یادگار خواب۔

ہم جہاں رہائش پذیر تھے وہاں سے کوئی پچاس گز کے فاصلے پر وزیراعظم ہاؤس کے سامنے مسجد واقع ہے۔ رمضان میں ہم نے اس مسجد میں باقاعدگی سے نمازیں ادا کیں۔

ایک روز میں خواب کے عالم میں دیکھتا ہوں کہ نماز کے لئے اذان ہوئی ہے اور لوگ مسجد کی طرف جا رہے ہیں۔ میں بھی مسجد کی طرف چل پڑتا ہوں۔ دائیں ہاتھ سے مسجد میں داخل ہوتا ہوں۔ کچھ لوگ صفوں میں بیٹھے ہوئے ہیں لیکن ابھی صفیں مکمل نہیں ہوئیں۔ میں جس صف میں جا کر بیٹھا ہوں کیا دیکھتا ہوں کہ میری داہنی طرف مقبول بٹ شہید" بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں انہیں اپنے قریب بیٹھا دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں اور نہایت خوشی اور وارفتگی کے عالم میں اٹھ کر ان سے مصافحہ کرتا ہوں۔ بٹ صاحب مسکرا کر مجھے ملتے ہیں اور اپنی جگہ بیٹھ جانے کا اشارہ کرتے ہیں۔ اتنے میں لوگ جماعت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

نماز سے فارغ ہو کر میں بٹ صاحب کی طرف بغور دیکھتا ہوں۔ انہوں نے عسکری انداز کا لباس پہنا ہوا ہے۔ سر پر سیاہ ٹوپی ہے جو ترچھی پہنی ہوئی ہے۔ میں سوچ میں پڑ جاتا ہوں بٹ صاحب تو شہید ہو گئے تھے یہ زندہ ہو کر کیسے آ گئے ہیں اور نہ جانے یہ نماز سے فارغ ہو کر کدھر جائیں گے۔ میں ادھر ادھر دیکھتا ہوں کہ کوئی واقف آدمی نظر آئے اور اسے بٹ صاحب کی موجودگی سے باخبر کروں۔ لیکن مجھے مسجد میں کوئی واقف آدمی نظر

نہیں آتا۔

بظاہر یہ نظر آ رہا ہے کہ مسجد میں موجود لوگ بٹ صاحب کی موجودگی سے بے خبر ہیں۔ جونہی ہم نماز سے فارغ ہوتے ہیں دعا کے بعد لوگ اچانک بٹ صاحب کے گرد جمع ہونے لگتے ہیں۔ اچانک آزادی کے حق میں نعرے بلند ہوتے ہیں۔

ہے حق ہمارا ---- آزادی
ہم چھین کے لیں گے ---- آزادی
اس پار بھی لیں گے ---- آزادی
اِس پار بھی لیں گے ---- آزادی

جونہی یہ پرجوش نعرے مسجد میں گونجتے ہیں سب لوگ خوشی سے مچلنے لگتے ہیں۔ وہ مسرت اور جذبات کے عالم میں ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہیں اور مبارکباد دے رہے ہیں۔ اتنے میں کچھ لوگ بٹ صاحب کو اٹھا کر ہجوم سے باہر لاتے ہیں۔ مسجد کے صحن میں ایک سٹیج بنا ہوا ہے۔ بڑا خوبصورت سٹیج ہے۔ اس پر تین کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ ان کرسیوں پر تین شخصیات کو بٹھا دیا جاتا ہے۔ درمیان والی کرسی پر بٹ صاحب تشریف فرما ہیں جبکہ ان کے دائیں اور بائیں دو اجنبی حضرات بیٹھے ہیں۔ ان کے چہروں پر نور چمک رہا ہے میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں مسجد کا صحن لوگوں سے بھر چکا ہے اور میں یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہوں کہ وزیراعظم ہاؤس کے سامنے والی سڑک شمالاً جنوباً لوگوں سے بھر گئی ہے۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ کوئی اعلان نہیں ہوا اس جلسے میں اتنے لوگ کہاں سے آگئے ہیں۔ اتنے میں بٹ صاحب اپنے دائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص سے سرگوشی میں بات کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ شخص اٹھ کر کشمیر کی تحریک آزادی کے حوالے سے پر اثر تقریر کرتا ہے۔ سب لوگ اسے داد دیتے ہیں۔ مختصر تقریر کے بعد وہ شخص بیٹھ جاتا ہے۔ سامعین میں سے کچھ لوگ اٹھ کر سوال کرنا چاہتے ہیں۔ بٹ صاحب خود کھڑے ہو جاتے ہیں اور انہیں سوالات کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ وہ سوالات کرتے ہیں۔ بٹ صاحب اختصار سے جواب دیتے ہیں اور سوالات کرنے والے مطمئن ہو کر بیٹھتے جاتے ہیں۔

اتنے میں پروگرام میں وقفہ ہوتا ہے۔ وقفے کے بعد بٹ صاحب تقریر کرنے کے

لئے مائیک پر آتے ہیں۔ لوگ اٹھ کر والہانہ انداز میں ان سے اظہار یکجہتی کرتے ہیں۔ بٹ صاحب کی آواز بڑی سریلی اور پرجوش ہے۔ وہ مختصر تقریر کرتے ہیں جس میں وہ لوگوں کو سمجھاتے ہیں کہ "ہمارا کشمیر ٹکڑوں میں بانٹ کر غلام بنالیا گیا ہے جب تک ہم متحد ہو کر آزادی کے لئے جدوجہد نہیں کریں گے ہمارے دشمن کشمیر سے نہیں نکلیں گے" وہ لوگوں کو بتاتے ہیں کہ "ہم ایک آزاد اور خوشحال کشمیر کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں" وہ سامعین کو کشمیر کی عظمت رفتہ کے کچھ واقعات بتاتے ہیں تو لوگ فرط جذبات سے آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ بٹ صاحب انہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ہم نے ہمت نہیں ہارنی عزم' حوصلے اور یقین کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے اپنی عظمت اور آزادی کا پرچم حاصل کرنا ہے" بٹ صاحب جب تقریر ختم کر کے بیٹھنے لگتے ہیں تو لوگ اصرار کرتے ہیں کہ آزادی کا ترانہ سنائیں۔ بٹ صاحب مخصوص انداز سے ایک نغمہ سناتے ہیں۔

اتنے میں جلسہ ختم ہو جاتا ہے۔ مسجد میں موجود لوگ باہر نکل آتے ہیں۔ کچھ لوگ آگے بڑھ کر بٹ صاحب کو اپنے ساتھ مسجد سے ملحقہ کمرے میں لے جاتے ہیں۔ وہ اندر سے کمرہ بند کر لیتے ہیں۔ کوئی بتاتا ہے کہ یہ بی بی سی والے ہیں اور بٹ صاحب کا انٹرویو لینے آئے ہیں۔ لوگ آہستہ آہستہ واپس جانے لگتے ہیں۔ بٹ صاحب کا انٹرویو کافی دیر تک جاری رہتا ہے۔ بوڑھے اور عمر رسیدہ لوگ واپس چلے جاتے ہیں جبکہ نوجوان لوگ وہیں موجود رہتے ہیں۔ میں نظر اٹھا کر مظفر آباد کے آس پاس پہاڑوں کی طرف دیکھتا ہوں۔ موسم بڑا صاف ہے ہر طرف نیلاہٹ کا رنگ ٹپک رہا ہے۔ پہاڑوں پر سفید برف جمی ہوئی ہے جو نہایت خوشنما لگ رہی ہے۔

اچانک کمرے کا دروازہ کھلتا ہے۔ بٹ صاحب کے انتظار میں کھڑے سب لوگ اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ کمرے سے باہر قدم رکھتے ہی بٹ صاحب حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر بڑے پر اعتماد لہجے سے انہیں کہتے ہیں "انشاء اللہ ہم لوگ کامیاب ہو جائیں گے" میں دوڑ کر آگے بڑھتا ہوں اور بٹ صاحب کا ہاتھ پکڑ لیتا ہوں اور ان سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ سامنے میری رہائش ہے آپ قدم رنجہ فرمائیں تو خوشی ہوگی۔ بٹ صاحب میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں "چلیں جی آپ کے پاس تو ہم نے ضرور آنا

تھا" میں فرطِ جذبات سے جھومنے لگتا ہوں۔

بٹ صاحب کے ہمراہ کچھ اور لوگ بھی میری رہائش گاہ پر آجاتے ہیں۔ فرش پر دری بچھی ہوئی ہے جس کے ایک طرف بستر لگا ہوا ہے۔ بٹ صاحب کو میں اپنے بستر پر بٹھاتا ہوں۔ باقی سب لوگ ان کے سامنے دری پر بیٹھ جاتے ہیں۔ میرے بستر پر کتابیں بکھری پڑی ہیں۔ انہی کتابوں میں ایک فائل پر "شعورِ فردا" لکھا ہوا ہے۔ بٹ صاحب وہ فائل اٹھا لیتے ہیں۔ اس میں ان کے بہت سے خطوط ہیں وہ فائل کو ایک نظر دیکھ کر میری طرف بڑھاتے ہوئے پوچھتے ہیں "آپ نے میرے یہ خطوط کیسے جمع کر لئے ہیں؟ میں بتاتا ہوں کہ میں نے بڑی محنت سے یہ جمع کئے ہیں۔ بٹ صاحب پھر سوال کرتے ہیں "یہ آپ کو کہاں کہاں سے ملے؟ میں بتاتا ہوں کہ یہ آپ کے فلاں فلاں دوست نے مجھے دیئے"

بٹ صاحب اپنے ایک دوست سے میری بابت کچھ کہتے ہیں اور پھر اپنی جیب میں سے ایک کاغذ نکال کر مجھے دیتے ہیں۔ یہ ایک پرانا اور بوسیدہ سا کاغذ ہے جو تہہ شدہ ہے۔ میں اسے کھول کر دیکھتا ہوں اس کی پیشانی پر لکھا ہے "تماڑ جیل" میں خط کھولتے ہی بٹ صاحب سے کہتا ہوں۔ "یہ آپ کا خط ہے۔ آپ کے خط جمع کر کر کے اب میں آپ کی لکھائی پہچان گیا ہوں۔" اتنے میں بٹ صاحب کہتے ہیں "میں تھک گیا ہوں۔ تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔" وہ سو جاتے ہیں۔

عالمِ غیب سے ترنم میں ایک پرسوز آواز آتی ہے

ہم روحِ سفر ہیں ہمیں ناموں سے نہ پہچان
کل کسی اور نام سے آجائیں گے ہم لوگ

ہائے رے وقت ----- میری آنکھ کھل جاتی ہے۔

محمد سعید اسعد

مقبول بٹ شہیدؒ

(شخصیت، جدوجہد اور نظریات)

شہید کشمیر مقبول بٹ شہید" کا نام گرامی میں نے اس وقت سنا جبکہ میں ابھی سرینگر کے ایک ہائی سکول میں طالب علم تھا۔ یہ ۱۹۶۶ء کا واقعہ ہے۔ سری نگر کے اخبارات میں یہ خبریں شائع ہوئی تھیں کہ مقبول بٹ نامی گوریلہ لیڈر وادی کشمیر میں اپنی کارروائیاں شروع کرچکا ہے۔ دراصل ۱۹۶۲ء کی ہند چین جنگ، تحریک موئے مقدس، اور ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے نتیجے میں یہ بات بالکل واضح ہوگئی تھی کہ ہندوستان اور پاکستان قطعاً کشمیر کی آزادی نہیں چاہتے۔ خاص طور پر پاکستان نے کشمیریوں سے جو وعدے کئے تھے انہیں پس پُشت ڈال کر ایوب خان نے تاشقند میں بھارتی وزیراعظم لال بہادر شاستری کے ہاتھ نہایت سستے داموں کشمیر بیچنے کی جو شرمناک حرکت کی اس کے نتیجے میں باشعور کشمیری اپنی امیدوں کے آخری مرکز پاکستان سے مایوس ہوگئے اور وہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ اگر ہمیں آزادی حاصل کرنا ہے تو ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر اپنی قوت و صلاحیت پر بھروسہ کرتے ہوئے منزل کی طرف گامزن ہونا پڑے گا۔

۱۹۶۵ء کی جنگ اور پھر معاہدہ تاشقند کے بعد حکومت اور اس کے آلہ کاروں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کردیا کہ کشمیری بزدل ہیں اور بندوق باہر رکھ کر کہتے ہیں "دھپ چڑھ سی تے آپے ٹھس کرسی"

مقبول بٹ شہید" نے اپنی فکر و فراست سے بھانپ لیا کہ ایسا پروپیگنڈہ کیوں کیا جا رہا ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر اس قسم کے پروپیگنڈے کا جواب نہ دیا گیا تو کشمیری قوم کی غیرت و حمیت مرجائے گی اور وہ حالات سے سمجھوتہ کرلینے میں عافیت دیکھ کر جدوجہد آزادی سے کنارہ کش ہوجائے گی۔

ان حالات کے پیش نظر مقبول بٹ اور ان کے چند آزادی پسند ساتھیوں نے آزاد کشمیر اور پاکستان میں آباد کشمیریوں کو درس حریت دینا شروع کیا۔ جموں کشمیر محاذ رائے

شماری کشمیر کی مکمل آزادی کے لئے سیاسی سطح پر جدوجہد کر رہی تھی موصوف اس جماعت سے وابستہ تھے۔ فلسطین' الجیریا اور ویت نام میں لڑی جانے والی آزادی کی جنگوں نے مقبول بٹ اور ان کے دوستوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ہم کب تک قراردادوں نعروں اور دستور منشور کے سہارے چلتے رہیں گے۔ چنانچہ کشمیر کو بھارتی تسلط سے آزاد کروانے کے لئے ان محب وطن کشمیریوں نے باقاعدہ مسلح جدوجہد شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ جموں کشمیر نیشنل لبریشن فرنٹ کے نام سے محاذ رائے شماری کا عسکری ونگ قائم کیا گیا۔ جس نے ابتدائی طور پر نوجوانوں کے لئے گوریلہ تربیت کا بندوبست کیا۔ محاذ کے تربیت یافتہ افراد پر مشتمل دو گروپ تشکیل دیئے گئے۔ جنہیں مقبوضہ کشمیر بھیج دیا گیا۔ ایک گروپ کی قیادت مقبول بٹ کر رہے تھے۔ جس کا کام سیاسی شعور کو اجاگر کرنا اور نوجوانوں کو گوریلہ تربیت دینا تھا۔ عسکری تربیت کے لئے نوجوانوں کا انتخاب موصوف خود کرتے تھے دوسرے شعبے کا انچارج کمانڈر میجر امان اللہ خاں تھے جنہوں نے مقبوضہ کشمیر میں ایک سرحدی جنگل میں کیمپ قائم کیا ہوا تھا یہ سلسلہ کچھ دیر جاری رہا۔ اسی اثناء میں بھارتی انٹیلی جنس کو خبر ہوگئی کہ مقبول بٹ اور میجر امان اللہ خاں نوجوانوں کو تحریک آزادی کے لئے تربیت دینے کی غرض سے وادی میں آئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حریت پسندوں کی تلاش شروع کردی اور ان کے متعلق مخبری کرنے والے کے لئے بھاری انعامات کا اعلان کردیا گیا۔

مقبول بٹ اور ان کے ساتھیوں نے ایک بھارتی انٹیلی جنس آفیسر امرچند کو یرغمال بنایا ہوا تھا۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو مجاہدین نے اسے گولی ماردی۔ امرچند کے قتل سے بھارتی فوج کو مقبول بٹ اور ان کے ساتھیوں کی کمیں گاہ کا علم ہوگیا۔ رات کو مسلح فوج کی بھاری نفری نے اس کمیں گاہ کو گھیرے میں لے لیا۔ مجاہدین کے پاس اسلحہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ بھارتی فوج نے زبردست فائرنگ کی جس کے نتیجے میں مقبول بٹ شہید ؒ کا ایک جاں نثار دوست اورنگزیب گلگتی شہید ہوگیا۔ چنانچہ مقبول بٹ اور ان کے ساتھی گرفتار کرلئے گئے۔ مقبول بٹ کی گرفتاری کی خبر کشمیر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ میں ان دنوں سکول کا طالب علم تھا مقبول بٹ کے پراسرار کردار اور حریت پسندانہ

سرگرمیوں نے میرے اندر ہیجان پیدا کردیا اور میں مقبول بٹ کو ملنے کی تمنا کرنے لگا۔

مقبول بٹ اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کے بعد کشمیر گورنمنٹ نے انہیں پابند سلاسل کردیا اور سخت اذیتیں دیں۔ کشمیر ہائی کورٹ نے مقبول بٹ کو سزائے موت سنائی۔ اس سارے واقعہ نے کشمیریوں میں ہمت، حوصلہ اور جذبہ پیدا کردیا۔ وہ روائتی قسم کے سیاست کاروں اور مفاد پرست عناصر سے نفرت کرنے لگے اور مقبول بٹ کو اپنا ہیرو سمجھنے لگے۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ایک بار پھر مقبول بٹ کا نام کشمیر کے بچے بچے کی زبان پر آگیا۔ دسمبر ۱۹۶۹ء کو مقبول بٹ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سری نگر جیل میں سرنگ لگا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس خبر نے کشمیر کے بچے بچے میں یہ استفسار پیدا کردیا کہ مقبول بٹ کون ہے اور وہ کیا چاہتا ہے۔ اس سوال کا سادہ سا جواب تھا" مقبول بٹ ایک مجاہد ہے اور آزادی چاہتا ہے۔" کشمیر گورنمنٹ نے جیل سے فرار ہونے والوں کے بارے اطلاع دینے والے کے لئے بھاری انعامات کا اعلان کیا اور اسے ذرائع ابلاغ میں خوب مشتہر کیا۔ جسٹس محمد یوسف صراف نے اپنی کتاب "کشمیریز فائٹ فار فریڈم" میں لکھا ہے کہ جب لوگوں کو مقبول بٹ کے جیل سے فرار کی خبر ملی تو انہوں نے اپنی خواب گاہوں میں مقبول بٹ کی تصویر کو سجایا اور اس سے عقیدت و ہمدردی کا اظہار کیا۔

مقبول بٹ اور ان کے دو ساتھی چوہدری یاسین اور میر احمد فلک بوس اور برف پوش پہاڑوں کو عبور کر کے آزاد کشمیر میں داخل ہوگئے۔ اس سفر میں برف پر چلنے کے سبب ان حریت پسندوں کے پاؤں جل گئے۔ آزاد کشمیر پہنچنے پر ان مجاہدوں کو انٹیلی جنس والوں نے گرفتار کرلیا اور مظفر آباد کے عقوبت خانے بلیک فورٹ میں پہنچا دیا۔ جہاں آزادی کے ان متوالوں کو اذیت ناک سزائیں دی گئیں۔ انہیں یہ سزائیں اس لئے دی گئیں کہ یہ اپنی راہ سے ہٹ جائیں اور آزادی کا نام لینا چھوڑ دیں۔ لیکن بدبختوں کو یہ کون بتاتا کہ تمہارا یہ ظلم و ستم اس وقت تمہارے لئے طمانچہ بن جائے گا جب حریت پسند اپنے مشن سے سرمو انحراف نہ کرنے کا اعادہ کریں گے۔

کچھ عرصہ بعد مقبول بٹ جب رہا ہوئے تو انہوں نے دوبارہ خفیہ طور پر سیالکوٹ

جموں کے محاذ سے مجاہدین کو مقبوضہ کشمیر بھیجنا شروع کردیا۔ جب مجاہدین کی ان کارروائیوں کی خبریں ہندوستان سے باہر نکل کر عالمی ذرائع ابلاغ کا موضوع بنیں تو دنیا پوچھنے لگی کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کا مقصد و مدعا کیا ہے۔ ادھر جب پاکستانی خفیہ اداروں کو ان کارروائیوں کا علم ہوا تو انہوں نے ان کارروائیوں کو اپنی بہادری ظاہر کرتے ہوئے سرکاری خزانے سے بھاری رقوم نکلوائیں اور لاہور' سیالکوٹ' راولپنڈی اور اسلام آباد میں عظیم الشان بنگلے بنائے۔ یہ رقوم ہضم کرنے کے لئے ان خفیہ اداروں نے پاکستان کے تمام ذرائع ابلاغ کو ہدایت کردی کہ وہ محاذ رائے شماری یا این۔ایل۔ایف کی کسی بھی خبر کو شائع نہ کریں اس طرح مقبول بٹ اور اس کے ساتھیوں کی جدوجہد آزادی کو دنیا کی نظروں سے اوجھل رکھنے کے لئے شرمناک ہتھکنڈے استعمال کئے گئے۔

مقبول بٹ کو جب احساس ہوا کہ ان کی ہر کوشش کو سبوتاژ کرنے اور ان کی جدوجہد پر پانی پھیرنے کے تمام حربے استعمال کئے جا رہے تو انہوں نے کوئی فیصلہ کن کارروائی عمل میں لانے کا عزم کرلیا۔ انہوں نے فلسطینیوں کے طرزِ عمل کو نمونہ بناتے ہوئے بھارتی طیارہ اغوا کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس مقصد کے لئے مقبول بٹ کی نظرِ انتخاب ایک نوجوان محمد ہاشم قریشی پر پڑی۔ جو سری نگر سے اپنی بہن کی شادی میں شرکت کی غرض سے پشاور آیا ہوا تھا۔ ہاشم کی ملاقات مقبول بٹ سے ہوئی۔ وہ تربیت لینے اور جہاز اغوا کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ ہاشم کو جہاز کے اغوا کی تربیت راولپنڈی میں پی اے ایف کے ایک سابق پائیلٹ جاوید احمد منٹو نے دی۔

محمد ہاشم قریشی جب واپس مقبوضہ کشمیر پہنچے تو انہوں نے وہاں اپنے چند مخصوص دوستوں کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔ جب ہمیں ہاشم کی زبانی اس پروگرام کے بارے انکشاف ہوا تو ہم جذبات میں آگئے اور ہمیں خوشی ہوئی کہ ہمارا رابطہ تحریک آزادی کے حقیقی کرداروں سے ہوگیا ہے۔ ہاشم نے ہمیں مقبول بٹ کا پیغام بھی سنایا اور تنظیم سازی کے پروگرام پر عمل پیرا ہونے کے لئے پروگرام دیا۔ چنانچہ ہم مذکورہ مشن پر کاربند ہوئے مقبول بٹ شہیدؒ نے جب ہاشم قریشی کو بھارتی طیارہ اغوا کرنے کی ذمہ داری سونپی تو زہے نصیب کہ مجھے بھی اس عظیم خدمت میں حصہ لینے کا موقع ملا۔

میں اور ہاشم قریشی نے جب بھارتی فوکر طیارہ گنگا اغوا کر کے لاہور ایئرپورٹ پر اتارا تو ساری دنیا میں ہمارے اس اقدام کے چرچے ہونے لگے۔

اس سے جہاں ایک طرف دنیا مسئلہ کشمیر کی طرف متوجہ ہوئی وہاں دوسری طرف۔ ہم کشمیریوں کو یہ احساس بھی ہو گیا کہ ہمارا دشمن کون کون ہے اور ہمارا دوست کیسا ہے؟۔

گنگا طیارہ کے اغوا سے ان خفیہ معاہدوں کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھر گئیں جن پر پاکستان اور بھارت مہر ثبت کر چکے تھے۔ ادھر پاکستان اور آزاد کشمیر کے حکمران ٹولے پر بھی کپکپی طاری ہو گئی۔ پاکستان میں یحییٰ خان' ہندوستان میں اندرا گاندھی' آزاد کشمیر میں نام نہاد مجاہدِ اول سردار قیوم اور بھارتی مقبوضہ کشمیر میں غدارِ وطن شیخ عبداللہ ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے نظر آنے لگے۔ سب اسی رنج میں ہلکان ہو رہے تھے کہ ہمارے اقتدار کا کیا بنے گا۔ ہماری موروثی سیاست کو کہاں عافیت ملے گی۔ مقبول بٹ کا نام ان ننگ انسانیت حاکموں کے دل میں کانٹا بن کر کھٹکنے لگا۔ کشمیر کے نام پر سیاست چمکانے اور چندہ بٹورنے والے کفِ افسوس ملنے لگے۔ یہ سامراجی گماشتے اور کمینے حکمران بچاؤ کی تدبیریں کرنے لگے۔ چنانچہ ان سب کو ایک ہی ترغیب سوجھی' سب نے بیک زبان کہا۔ ""مقبول بٹ اور اس کے ساتھی امن دشمن ہیں' علیحدگی پسند ہیں اور باغی ہیں۔""

بھارتی طیارہ گنگا اغوا کرنے پر ایک طرف حکمرانوں کی نیندیں حرام ہو رہی تھیں اور دوسری طرف پوری پاکستانی قوم اور کشمیری عوام ہائی جیکروں کو خراجِ تحسین پیش کر رہے تھے۔ عوام کے زبردست جوش و خروش کو دیکھ کر یحییٰ خان اور قیوم خاں کی پریشانی حد سے بڑھ گئی تو انہوں نے سوچا کہ ایک ہی علاج ہے۔ ""گنگا ہائی جیکر انڈین ایجنٹ ہیں۔"" ایک طرف لاکھوں لوگ ہمارا استقبال کر رہے تھے اور دوسری طرف حکومت وقت نے اعلان کر دیا کہ بھارتی طیارہ اغوا کرنے والے انڈین ایجنٹ ہیں ان پر مقدمہ چلایا جائے گا۔" چنانچہ ہمیں گرفتار کر لیا گیا اور پابندِ سلاسل کر کے عقوبت خانوں میں ڈال دیا گیا۔ مقبول بٹ اور ان کے بے شمار تنظیمی دوست گرفتار کر لئے گئے۔ انہیں پاکستان کی مختلف جیلوں اور عقوبت خانوں میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ حقِ آزادی مانگنے کی پاداش میں ہم کشمیریوں پر پاکستان کے عاقبت نااندیش حکمرانوں نے جو ظلم ڈھائے وہ جنگِ آزادی کی

عالمی تاریخ میں ایک منفرد مثال ہے۔

گنگا طیارہ کے اغوا کے بعد مجھے شہید کشمیر، مقبول بٹ شہید" کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ ایک مخلص دوست، قابلِ اعتماد سیاسی راہنما" گوریلہ لیڈر اور ہمدرد انسان تھے۔ ان کا اخلاق اتنا بلند پایہ تھا کہ وہ اپنے بدترین دشمن کو بھی پل بھر میں اپنا گرویدہ اور ہم خیال بنا لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پاکستان اور ہندوستان کی جیلوں میں اپنے بہت سے دوست بنائے۔ ان کی شخصیت میں عجیب مقناطیسیت اور آنکھوں میں ایک مخصوص روشنی تھی جس سے غیرت، حریت، ہمت اور شفقت کی شعاعیں پھوٹتی نظر آتی تھیں۔ وہ عموماً سادہ لباس پہنتے لیکن اس میں جاذبیت ہوتی تھی قمیض شلوار یا کرتا شلوار اور واسکٹ ان کا پسندیدہ لباس تھا۔

مقبول بٹ کم گو تھے لیکن گفتگو کرتے وقت نہایت وضاحت سے اپنا مدعا بیان کرتے اور مخاطب کو الجھن سے نکال دیتے۔ وہ حقیقت پر مبنی اور دلائل سے مزین بات کرتے۔ گنگا ہائی جیکنگ کے دوران انہوں نے ہفت روزہ "زندگی" کو انٹرویو دیتے ہوئے جن خیالات کا اظہار فرمایا تھا ان کو پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ مقبول بٹ کے افکار، نظریات کتنے بلند اور روشن تھے۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ آدمی ڈکٹیٹ نہیں کر رہا بلکہ نصیحت کر رہا ہے اور سمجھا رہا ہے۔ وہ جب تقریر کرتے تو مجال ہے کوئی شخص اٹھ کر ادھر ادھر پھرتا۔ ان کی تقریر کے دوران لوگوں پر ایک سحر طاری ہو جاتا تھا۔ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مہذب انسان ہونے کے باوصف ان کی مصروفیات بھی مقصدیت کے گرد گھومتی رہتیں۔ ان کی ذات میں مطالعہ سے شوق اور طلب علم کی کوئی کمی نہ تھی۔ انہوں نے پشاور یونیورسٹی سے ایم اے اردو اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کی تھیں۔

مقبول بٹ شہید" کشمیر میں روایتی انداز کی سیاست کے خلاف تھے وہ عمل پر یقین رکھتے تھے اور روایت پسندی کے بجائے روشن خیالی اور ترقی پسندی کو عملی سانچے میں ڈھالنے پر زور دیتے تھے۔ وہ لیلائے سیاست کے نہیں بلکہ لیلائے آزادی کے مجنوں تھے۔ انہیں دولت اور روپے پیسے کی قطعاً کوئی ہوس نہ تھی۔ جب ہم گنگا جہاز اغوا کر کے لائے تو پاکستانی عوام نے ہمیں اپنے سروں پر بٹھایا اور ہمیں ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ گنگا جہاز

کو نذر آتش کرنے کے بعد جب ہم زخمی حالت میں ہسپتال میں پڑے ہوئے تھے تو اس دوران پاکستان کے مختلف شہروں سے پاکستانی عوام ہمیں بلینک چیک بھیجا کرتے تھے لیکن مقبول بٹ کا کردار ملاحظہ فرمائیں---- انہوں نے محاذ کے خزانچی میر عبدالقیوم کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ یہ تمام چیک شکریہ کے ساتھ بھیجنے والوں کو واپس کرتے رہیں- چنانچہ میر قیوم ان کے حکم کی تعمیل کرتے رہے- ایک طرف اخلاص کا یہ عالم تھا تو دوسری طرف گنگا طیارہ کے اغوا کے دنوں کا واقعہ ہے- اس وقت آزاد کشمیر میں قیوم خان کی حکومت تھی- قیوم خاں نے اپنے بھائی غفار خاں کو مقبول بٹ صاحب کے پاس بھیجا کہ آپ یہ اعلان کریں کہ گنگا طیارہ الجابد کے گوریلوں نے اغوا کیا ہے تو آپ کو منہ مانگی رقم دی جائے گی اور آزاد کشمیر میں آپ کا استقبال قومی ہیروز کی طرح سرکاری سطح پر کیا جائے گا- لیکن مقبول بٹ نے اپنی قیمت لگوانے سے انکار کردیا- مقبول بٹ اصول و نظریات پر سودا بازی نہیں کرسکتے تھے اس کی ایک مثال اس وقت دیکھنے میں آئی جب ٹانڈا ڈیم (کوہاٹ) میں حکومت پاکستان نے ہمارے ساتھ مذاکرات کئے اور ہمیں بتایا کہ معاہدہ تاشقند کی رو سے ہم ہندوستان کے خلاف اب کسی قسم کی کارروائی نہیں کرسکتے لہذا آپ تحریک آزادی کے لئے کوشش کرنا چھوڑ دیں- آپ کو جتنے پیسے اور وسائل چاہیں آپ لے لیں کوئی کاروبار کریں اور آرام سے زندگی بسر کریں- میرے اور ہاشم کے بارے میں حکام نے یہ پیشکش کی کہ ان نوجوانوں کو کسی بھی میڈیکل کالج میں حکومتی اخراجات پر داخلہ دیں گے' پاکستان کے جس شہر میں چاہیں گھر بنا کر دیں گے اور من پسند لڑکی سے شادی کروائیں گے- بشرطیکہ یہ تحریک کو ترک کردیں- مقبول بٹ شہید" نے ان حکام کا شکریہ ادا کیا اور نہایت اعتماد سے جواب دیتے ہوئے فرمایا- اگر آپ واقعی ہماری مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں آزاد کشمیر میں ٹریننگ کیمپ قائم کرکے دیئے جائیں تاکہ ہم نوجوانوں کو مسلح تربیت دے کر اپنی جنگ آزادی لڑ سکیں-

شاہی قلعہ لاہور اور پاکستان کی دوسرے تشدد خانوں میں مقبول بٹ شہید" پر بہت سختیاں کی گئیں لیکن انہوں نے بڑی خندہ پیشانی اور صبر سے ان کا مقابلہ کیا وہ گھبرانے اور خوفزدہ ہونے والا انسان نہیں تھا-

ایک بار شاہی قلعہ کے یزیدوں نے مجھے کہا کہ مقبول بٹ نے مان لیا ہے کہ وہ انڈین جاسوس ہے تو ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے تم بھی مان جاؤ اور ہم سے جان چھڑاؤ۔ مجھے کیسے یقین آ سکتا تھا۔ میں جانتا تھا بھارتی جبر اور قومی غلامی کے خلاف علم جہاد بلند کرنے والا وہ مردِ مومن کیسے اپنے کردار پر حرف لا سکتا ہے۔ اس مجاہد نے میرے خون سے مجھ سے یہ حلف لیا تھا کہ میں بھارت کا ازلی دشمن ہوں اور اس کے خلاف جدوجہد کروں گا۔ میں نے شاہی قلعہ کے یزیدوں سے کہا مجھے مقبول بٹ کے پاس لے چلو میں خود اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر وہ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور میرے کپڑے اتار کر مجھے ننگا کر دیا۔ وہ جلاد مجھے پیٹتے جاتے اور کہتے جاتے تم مقبول بٹ سے ملنا چاہتے ہو۔ مجھے جیل میں جہاں جہاں بٹ صاحب کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا۔ انہوں نے ایامِ اسیری کے دوران جس عزم' حوصلے اور نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا وہ میں نے کسی دوسرے انسان میں آج تک نہیں دیکھا۔ وہ جیل میں قیدیوں کی دلجوئی کرتے' ان کی ہمت بندھاتے' انہیں درخواستیں لکھ کر دیتے۔ ان کی فکری تربیت کرتے۔ وہ قیدیوں کو احساس دلاتے کہ اللہ نے ہم سب انسانوں کو ایک جیسا بنایا ہے لیکن یہ استحصال کرنے والے لوگ توازن بگاڑ دیتے ہیں۔ کتنے ہی قیدیوں نے ان کی صحبت میں رہ کر اپنی زندگی میں تبدیلی پیدا کی۔ انہوں نے اپنے آپ کو نظم و ضبط کا اتنا پابند کیا تھا کہ وہ رات کو جس کروٹ سے سوتے تھے صبح اسی کروٹ سے جاگتے تھے۔ ساری رات وہ کروٹ نہیں بدلتے تھے۔ وہ صبح صادق کو جاگتے' تہجد پڑھتے' نماز فجر پڑھتے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔

مقبول بٹ شہیدؒ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ وہ ہر معاملے میں دوستوں سے مشورہ کرتے اور تمام تنظیمی فیصلوں میں اکثریت کی رائے کا احترام کرتے۔

گنگا طیارہ کیس سے رہائی کے بعد منگلا قلعہ میں ہماری ملاقات وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو سے کروائی گئی جس میں سینئر سیاست کار موجود تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے مقبول بٹ سے کہا تھا کہ اگر آپ لوگ پیپلز پارٹی میں شامل ہو جائیں تو میں آزاد کشمیر کی

وزارت عظمیٰ آپ کے حوالے کردوں گا۔ بٹ صاحب نے بھٹو کو اس بات کا دو ٹوک جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا "ہماری منزل آزاد کشمیر کی وزارتِ عظمیٰ نہیں بلکہ کشمیر کی مکمل آزادی اور خودمختاری ہے۔"

۱۹۷۶ء میں مقبول بٹ شہید" نے جب محسوس کیا کہ حکومت پاکستان پر تکیہ کرنا بے سود ہے تو وہ ایک بار پھر نذرانہ جان لے کر اپنے دو ساتھیوں ریاض ڈار اور حمید بٹ کے ہمراہ وادی کشمیر میں داخل ہوگئے۔ جہاں انہیں گرفتار کرلیا گیا اور آٹھ سال تک تہاڑ جیل دہلی میں قید رکھنے کے بعد ۱۱ فروری ۱۹۸۴ء کو پھانسی دے دی۔

وہ موت رکھ کے ہتھیلی پہ سوئے دار گیا
لٹک گیا تو گرہ زندگی بھی کھول گیا

مقبول بٹ کی سوچ، فکر اور نظریات بڑے صاف، واضح اور ابہام سے پاک تھے۔ وہ ایک آزاد اور خوشحال کشمیر پر نہ صرف یقین رکھتے تھے بلکہ انہوں نے اس مشن کی خاطر اپنی جان کی قربانی دینے میں بھی تامل نہ برتا۔

مقبول بٹ کی سوچ فکر اور شخصیت کی صحیح عکاسی ان خطوط سے ہوتی ہے جو انہوں نے تہاڑ جیل دہلی سے اور پاکستانی جیلوں سے اپنے دوست احباب کو لکھے۔

آزاد کشمیر کے نوجوان مصنف و محقق محمد سعید اسعد نے یہ ایک عظیم قومی خدمت سرانجام دی ہے کہ مقبول بٹ شہید" کے خطوط جمع کردیئے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق سعید اسعد یہ کام اس وقت سے کر رہا تھا جبکہ وہ شعبہ کشمیریات پنجاب یونیورسٹی میں ہمارے پاس طالب علم تھا۔ اس اعتبار سے تو یہ کتاب خاصی دیر بعد شائع ہو رہی ہے لیکن یقیناً اس میں مرتب کی مجبوریوں کا عمل دخل ہوگا۔ بہرحال جبکہ یہ کتاب منظرعام پر آرہی ہے تو احساس ہوتا ہے کہ یہ کام بروقت ہوگیا ہے۔ کیونکہ اگر سعید اسعد یہ کام نہ کرتا تو یقیناً اگلے پچاس سال تک کوئی اس طرف متوجہ نہ ہوتا۔ سعید اسعد کی یہ خاصیت ہے کہ وہ ہر بات کو وقت سے پہلے محسوس کرلیتا ہے اور ہر وقت کچھ نہ کچھ کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔

مقبول بٹ شہید" کے مکتوبات کے اس مجموعے میں ۳۹ خطوط شامل ہیں۔ ان کے

مطالعہ سے احساس ہوتا ہے کہ یہ کشمیر کے فکری و سیاسی لٹریچر میں گراں قدر اضافہ ثابت ہونگے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ آزاد کشمیر میں کوئی تحقیقی و علمی ادارہ قائم نہیں کیا گیا۔ آزاد کشمیر کے لوگوں کو اپنے قومی علمی ورثے سے محروم رکھنے کے لئے یہ ایک سوچی سمجھی سازش تھی جسے کشمیر کی نوجوان نسل اب محسوس کر رہی ہے اور اس کا مطالبہ ہے کہ آزاد کشمیر کے تعلیمی اداروں میں مطالعہ کشمیر اور تاریخ کشمیر کو نصاب میں شامل کیا جائے۔ حکومتی سطح پر اس سلسلے میں جو پراسرار خاموشی اختیار کی گئی اب اس کا بھانڈا پھوٹنے والا ہے۔ سعید اسعد جیسے نوجوان قلمی و فکری محاذ پر جو جدوجہد کر رہے ہیں وہ انشاء اللہ ضرور کارگر ثابت ہوگی۔ قومی خدمات کو سرانجام دینے کے لئے حکومتی پشت پناہی اور ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ وہ جذبہ ہوتا ہے جو اپنے ہی بل پر آگے بڑھتا ہے اور اس کی گرد راہ سے معجزات ابھرتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ سعید اسعد اپنے مشن پر کاربند رہے گا اور کشمیری قوم کی گمشدہ میراث کو بازیاب کرتا رہے گا۔ اللہ اس کا حامی و ناصر ہو۔

پروفیسر محمد اشرف قریشی
شعبہ کشمیریات
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

متاعِ شعور کا پاسباں

کسی دانشور کا قول ہے کہ ”اسے اپنی قوم کو شعوری طور پر بیدار کرنے میں 29 سال لگے اور جب قوم بیدار ہوگئی تو اس نے ایک سال کے قلیل وقت میں آزادی کی منزل کو پالیا“۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آزادی جیسی نعمت بندوق کی نالی سے نہیں بلکہ شعور کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ ہم اگر ایک نظر اپنی کشمیری قوم پر ڈالیں تو یہاں شعوری بیداری کی تحریک کا زبردست فقدان نظر آتا ہے۔ ساڑھے پانچ ہزار سالہ درخشاں تاریخ کے امین آج اپنی تاریخ سے نابلد ہیں اور کسی مفکر کے بقول....

”کسی قوم سے اس کا جغرافیہ چھیننا ہو تو اس سے اس کی تاریخ چھین لی جائے“

یوں کشمیری قوم سے بھی اس کی تاریخ غاصب قوتوں نے چھین لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا جغرافیہ پارہ پارہ ہے۔ جبکہ پارہ پارہ دیش میں موجود نوآبادیاتی سیاسی نظاموں کو کشمیریوں نے اپنا مقدر جان لیا ہے۔

جواہر لعل نہرو اپنی آپ بیتی ”نہرو“ میں لکھتے ہیں کہ ”میں جب برطانیہ سے بیرسٹری کی تعلیم مکمل کر کے ہندوستان واپس آیا تو میرے لیے سب سے مشکل مرحلہ یہ تھا کہ ہندوستان کے ان پڑھ لوگوں کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ لوگوں نے بھی انگریز کے بنائے ہوئے سیاسی نظام کو قبول کر لیا تھا اور اسی نظام کو آزادی سے تعبیر کرتے تھے“۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ آج ریاست جموں کشمیر کے ایک عام انسان کے ساتھ ساتھ کالجز اور یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل نوجوانوں نے بھی نوآبادیاتی سیاسی نظام کو عین آزادی کے مترادف قرار دے دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کی آزاد اقوام ہماری کنفیوزڈ سیاسی سوچ پر ہنستی ہیں اور کہتی ہیں کہ کشمیری عجب لوگ ہیں جو غلام رہنے کے لیے دلیلیں دیتے ہیں۔

اس اذیت ناک صورتحال میں ریاست جموں کشمیر کا انتہائی قلیل طبقہ شعوری بیداری کی تحریک میں اپنی قومی ذمہ داری کو پورا کرنے کی سعی میں معروف ہے۔ انہی احباب میں ایک نام محمد سعید اسعد کا ہے۔ سعید اسعد نے ریاست جموں کشمیر کی تاریخ و جغرافیہ کے موضوعات پر لکھنے کے علاوہ

جوائنٹ کام کیا ہے وہ ہے شہید کشمیر مقبول بٹؒ کے جیل سے لکھے گئے خطوط کو مرتب کرنا۔ یقیناً یہ کام بہت مشکل تھا۔ شہید قائد کی شہادت کو کئی سال گزر چکے تھے۔ اُن کے دوستوں ساتھیوں کو تلاش کرنا۔ اُن سے خطوط حاصل کرنا انتہائی کٹھن اور وقت طلب کام تھا۔ لیکن دھرتی کے اس فرزند نے یہ ذمہ داری احسن طریقہ سے سرانجام دی اور شہید قائد کے مشن "میں کشمیری نوجوانوں کو سیاسی ضمیر کا سپاہی بنانا چاہتا ہوں" کو دو قدم آگے بڑھانے میں کامیاب ہوئے۔

شعورِ فردا صرف ایک کتاب نہیں ہے بلکہ مقبول بٹ شہیدؒ کے اپنے قلم سے شعور کی تشریح ہے اور محمد سعید اسعد نے شعور کی اس دولت کو کشمیری عوام تک پہنچانے کے لیے "پُل" کا کام کیا ہے۔ بلاشبہ سعید اسعد لائق تحسین ہے۔ سعید اسعد کی حوصلہ افزائی اس کا حق ہے اور ہمارا فرض۔

شوکت مقبول بٹ (مظفر آباد)

خراجِ تحسین

ریاست جموں کشمیر کی سیاسی تاریخ میں مجاہدِ اعظم شہید کشمیر محمد مقبول بٹ" واحد ایک ایسی شخصیت ہیں جو ایک سیاسی جماعت محاذ رائے شماری کے صدر رہتے۔ انہیں مقبوضہ کشمیر کی عدالت سے آزادی کی جدوجہد کے "جرم" میں سزائے موت کی سزا دی گئی تھی۔ یہ پاکستان، آزاد کشمیر، بھارتی مقبوضہ کشمیر اور ہندوستان کی جیلوں میں تشدد اور سختیاں برداشت کر چکے تھے۔ اس کے باوجود وہ سیاسی، عسکری اور قلمی محاذ پر کشمیر کی مکمل آزادی و خودمختاری کے لیے ہر وقت سرگرم عمل رہے اور اس جدوجہد میں ناقابلِ فراموش خدمات سرانجام دیں۔ انہوں نے کبھی جنگ بندی لائن کو قبول نہیں کیا اور جب بھی جی میں آیا اسے اپنے قدموں تلے روند ڈالا۔ کشمیر کے اس عظیم سپوت نے مادرِ وطن کی جدوجہد آزادی کے عشق میں دہلی کی تہاڑ جیل کے تختہ دار پر اپنی جان قربان کر کے ریاست جموں کشمیر کی جغرافیائی، نظریاتی اور ثقافتی وحدت کو ازسرِنو مستحکم و منظم کیا۔

محترم محمد سعید اسعد ہمارے ہر دلعزیز، جرأت مند، ایثار پیشہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ جواں سال محقق اور تاریخ دان ہیں جنہوں نے کشمیر کی اُن عظیم شخصیات پر کتابیں لکھ کر مستقبل کے لیے اُن کے کارناموں کو محفوظ رکھا ہے جن کی نہ تو برادریاں تھیں، نہ وسائل تھے۔ جو ہر اعتبار سے وطنِ عزیز اور قوم کا انمول سرمایہ تھے۔ جناب سعید اسعد شہید کشمیر مجاہدِ اعظم محمد مقبول بٹ" کے خطوط جمع کر کے انہیں کتابی شکل میں شائع کر رہے ہیں۔ سعید اسعد کا یہ ایک ایسا قومی، ادبی، علمی اور ثقافتی کارنامہ ہے جسے کشمیری قوم ہمیشہ یاد رکھے گی اور مستقبل کا مؤرخ انہیں خراجِ تحسین پیش کرے گا۔ اس لیے کہ ہمارے آزاد کشمیر اور پاکستان کے اکثر تاریخ دانوں اور محققوں نے سرکار سے لفافے وصول کر کے تاریخ کو مسخ کرنے میں کمی نہیں چھوڑی۔ الحمدللہ سعید اسعد ان تمام برائیوں سے اب تک پاک ہے۔ ان کی مرتب کردہ "شعورِ فردا" ہماری قومی اور ملی تاریخ کا ایک اہم ورثہ قرار پائے گی۔ انشاءاللہ

جی ایم مفتی

(مظفرآباد)

حرفِ تحسین

مقبول بٹ شہیدؒ پوری کشمیری قوم کے عظیم قائد تھے۔ انہوں نے ظلم، جبر استحصال، غلامی، منافقت، وظیفہ خوری اور مصلحت پسندی کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کرتے ہوئے لیلائے وطن کی آزادی اور خود مختاری کے لیے جس پُر خار اور پُر خطر راستے کو اختیار کیا آج ساری کشمیری قوم اُسی راستے پر چل نکلی ہے۔ بلاشبہ مقبول بٹ شہیدؒ کا یہ راستہ ہی ہماری نجات اور فلاح و کامرانی کا راستہ ہے۔ شہید قائد کے راستے پر چلتے ہوئے لاکھوں فرزندانِ وطن اس مقدس مشن کی خاطر جانیں قربان کر چکے ہیں۔

جدوجہدِ آزادی کے اس نازک مرحلے پر ضرورت اس امر کی ہے کہ مقبول بٹ شہیدؒ کے حقیقی نظریات، افکار و تعلیمات اور سیرت و کردار کو سمجھا جائے اور پھر اُسی کی روشنی میں اپنی جدوجہد کو نتیجہ خیز بنایا جائے۔ کشمیر کی نئی نسل سے میں اپیل کرتا ہوں کہ وہ شہیدِ کشمیر کے نظریات اور تعلیمات کو اپنا وظیفہ جاں بنالیں۔

کشمیری محقق و مصنّف محمد سعید اسعد نے وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے مقبول بٹ شہیدؒ کے فکر انگیز خطوط کو جمع کر کے جو کتابی صورت میں پیش کیا ہے اس کاوش کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ موصوف کی اس کوشش سے شہید کشمیر کے نظریات و افکار اور تعلیمات کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہوگئی ہے۔ شعور فردا ہمارے لیے مشعل راہ بھی ہے اور ایک ایسا آئینہ بھی ہے جس میں جھانک کر ہم اپنی حقیقت سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

صابر انصاری، ایڈووکیٹ

میرپور

جی ایم مفتی کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پشاور

۱۷ اگست *

مکرمی مفتی صاحب!

السلام علیکم!

آپ کا ذیلی خط مسٹر بیگ کے خط کے ساتھ ہی مل گیا تھا اور چاہیے تو یہ تھا کہ ساتھ ہی جواب دیتا مگر ایسا نہ کر سکا۔ محض اس لیے کہ چند مصروفیتیں اور قدرے تساہل کام کے آڑے آ ہی جاتا ہے۔ باقی حال اللہ جانے۔ اگرچہ اس وقت آپ کو ایک طویل خط لکھنا چاہتا ہوں مگر نہ معلوم ذہن کیوں خالی سا ہو گیا ہے۔ سوچتا ہوں کہ ایک مدت کے بعد لکھ رہا ہوں تو صرف چند سطور پر کیونکر اکتفا کیا جائے۔ کیوں نہ ایک طویل داستاں چھیڑوں جس سے مجھے بھی راحت محسوس ہو اور میرے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے مگر ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ بھی تم خود ہی جانتے ہو۔

ہاں تو آپ کے خط میں چند ضروری مسائل کا ذکر تھا۔ میں تجھے یہی مشورہ دوں گا کہ راولپنڈی خط و کتابت جاری رکھیں۔ دوسری صورت اختیار کرنے سے نہ تو تجھے کوئی فائدہ ہو گا اور نہ فریق ثانی کو۔ دونوں خواہ مخواہ آگ میں کیوں جل جائیں۔ کم از کم روحانی تسکین تو ہوتی رہیگی۔ باقی رہا تیرا کام تو یہ بھی ہو جائے گا۔ تم سے کہا تھا دس پندرہ دن کی چھٹی لے کر چلے آؤ۔ دیکھتے ہیں اللہ میاں نے تیری قسمت میں کیا لکھا ہے۔ ایک کام تو خیر اپنے ہاتھ میں ہی ہے۔ تم آؤ اس کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ پیسے بھی بنیں گے اور پھر تیری شادی بھی ہو گی۔

آج کل اکثر موڈ آف رہتا ہے کیونکہ کرنے کو بظاہر کوئی کام نہیں۔ ابھی تک ایئر فورس

والوں نے بھی کوئی آخری فیصلہ نہیں دیا۔ اور نہ ہی آپ کے آزاد کشمیر نے۔ خواہ مخواہ ہمارے اضطراب قلب کو بڑھا رہے ہیں۔ کچھ معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ کیا ہوگا۔ خیال ہے کہ اگر پشاور ہی رہنا پڑا تو LLB میں داخلہ لیا جائے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟

خالق پرویز کا ایک خط آیا تھا۔ خوب معذرت کی تھی اور میرپور میں ڈپو شروع کرنے کی اطلاع بھی دی تھی۔ ندامت تو خیر ان کے ایک ایک لفظ سے ٹپک رہی تھی۔ لکھا تھا کہ ڈپو سے کچھ روپے کما کر پشاور آؤں گا۔ مگر ابھی تک شاید روپے نہ کما سکے اسی لیے نہ آسکے۔ میرے جواب کا کوئی جواب نہ دیا۔

ہاں تو ہماری اپیل کا بھی شاید ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ اس کی آخر کیا وجہ ہے۔ اس وقت بس یہیں ختم کرتا ہوں۔ کیونکہ موڈ بالکل نہیں بن رہا ہے۔ شاید تیرا اگلا خط مزاج کو درست کر دے ضرور لکھنا۔

وفا کیش

محمد مقبول

• مقبول بٹ نے اس خط پر سن تحریر نہیں لکھا۔ غالب گمان ہے کہ یہ خط 17 اگست 1959 کا لکھا ہوا ہے۔ کیونکہ اس وقت تک انہوں نے نہ تو یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا اور نہ ہی کوئی جاب شروع کی تھی۔ یہ ایک نجی نوعیت کا خط ہے جس میں انہوں نے اپنے دیرینہ دوست جی ایم مفتی سے بے تکلفانہ باتیں کی ہیں اور دوست کو اس کی شادی کے معاملات میں مشورے دیئے ہیں۔ خط کے مندرجات سے واضح ہوتا ہے کہ مقبول بٹ ان دنوں پاکستان ایئر فورس یا آزاد کشمیر میں ملازمت کی تلاش میں تھے۔ انہوں نے اپنے دوست سے LLB میں داخلے کے سلسلے میں مشورہ بھی مانگا ہے۔

عکسِ تحریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تہاڑ جیل
نئی دہلی ۲۵ جون ۱۹۸۲ء

برادرم ہارون صاحب

السلام علیکم :-

آپ کا لکھا نامہ مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۸۲ء مل گیا۔ ایک طویل عرصے کے بعد آپ کو اپنی خیریت سے آگاہ کرنے کیلئے یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔ یہ بات نہیں کہ آپ کی یاد ذہن سے محو ہو گئی تھی۔ مگر اس دور اسیری کا کیا کیجئے جہاں خواہشیں اور چاہتیں بہرحال "حالات" کی تابع ہونے پر مجبور ہوتی ہیں۔

کچھ یوم پیشتر لندن سے سرور صاحب کا خط ملا تھا۔ انہوں نے یہ اطلاع ضروری سمجھی کہ برادرم ملک جناب صاحب اس دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ موت چونکہ برحق ہے اس لئے اس سے کسی کو بھی مفر نہیں البتہ مرنے والوں سے منسلک یادیں بہرحال اپنے نقوش پیچھے چھوڑ جاتی ہیں۔ مرحوم جناب صاحب سے وابستہ ہماری یادیں دونوں ذہن میں تازہ رہیں گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ اور ان کے پسماندگان کو یہ صدمہ برداشت کرنے کیلئے صبر جمیل عطا فرمائے۔ مرحوم کے دونوں فرزندان تک میری جانب سے تعزیت و ہمدردی کا پیغام ضرور پہنچائیے گا۔

بفضل ایزدی میری صحت بالکل ٹھیک ہے۔ اور ایام اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ باقی حالات جوں کے توں ہیں۔ کوشش کرونگا کہ آپ سے نامہ و پیام کا یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے۔ سبھی دوست احباب اور اہل خانہ کو میرا پُرخلوص سلام۔

آپ کا بھائی
محمد مقبول بٹ

جی ایم مفتی کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پشاور
۲۲/ مئی ۱۹۶۰ء

برادرم مفتی صاحب!

السلام علیکم!

آپ کا خط آج سے کچھ روز قبل مل چکا ہے مگر جواب دینے میں دو دن کی تاخیر ہوئی۔ اصل میں جیسا کہ آپ کو خود ہی معلوم ہے میرے امتحانات نزدیک آ رہے ہیں اس لئے آج کل پڑھنے کا سوچ رہا ہوں [☆۱]۔ اگرچہ اس معاملے میں بھی محض خیالی چیزیں ہوتی رہتی ہیں۔ خیر یہ ضرور ہے کہ اب پڑھنے کا احساس شدید ہو گیا ہے۔ آپ کے گذشتہ خط کا دانستہ جواب نہیں دیا اس لئے نہیں کہ اس میں کوئی خاص بات نہ تھی بلکہ اس لئے کہ آپ ایک طویل دورے پر روانہ ہوئے تھے۔ پہلے کاغان اور پھر راولپنڈی۔ خیال تھا جب تک آپ کسی سٹیشن پر نہ پہنچ جائیں خط لکھنا بے فائدہ نہ ہو۔

بھائی آپ کا خط پڑھ کر ایک طرف تو خوب قہقہ لگاتا ہوں اور دوسری طرف نگاہوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔ پھر اپنے ان قہقہوں کو زہر خند میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ گذشتہ دنوں کشمیر سے ایک شاعر دوست [☆۲] کا خط آیا تھا۔ کم بخت نے خط کیا لکھا کہ پورا ماضی سوز و گداز کے ساتھ پھر یاد دلا دیا ہے۔ طبیعت کئی دنوں تک اداس رہی اور ہوش ٹھکانے سے دور ہو گئے۔ اب بتایئے سوائے رونے کے اور کیا چارہ تھا۔ آپ نے جو حکم کیا ہے اس کی تعمیل ہو گئی مگر آپ نے نکاح کو ملتوی کرنے کا جو پروگرام بنایا ہے اس پر ابھی غور کرنے کی ضرورت ہے [☆۳]۔ آپ ضرور

☆۱ مقبول بٹ شہید پشاور یونیورسٹی میں ایم اے اردو کے طالب علم تھے۔
☆۲ مقبول بٹ شہید کے اس شاعر دوست کے بارے معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔
☆۳ مکتوب الیہ مفتی کشمیر جانا چاہتے تھے اس لئے نکاح کا پروگرام ملتوی کر دیا۔

ملے تو باتیں ہوں گی۔ میرا پنڈی آجانا توفی الحال ناممکنات میں سے ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے لمحے بھر کی بھی فرصت نہیں۔ میں نے اب یہ سوچ رکھا ہے کہ امتحانات ختم ہونے سے پہلے کہیں باہر نہ جاؤں۔ اس لئے آپ آیئے اور ضرور آیئے۔ ساتھ ہی چراغ الدین [☆۱] سے ضروری بات چیت بھی کیجئے۔ بلکہ نمونے اور ان کے نرخ بھی ساتھ لایئے۔ نائیلون اور لیڈی ہملٹن ہی عام طور پر مل سکتا ہے [☆۲]۔ خیر آپ اس سلسلے میں ضروری تفصیلات خود ہی متعین کریں۔ میرے وہاں آنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

باقی آپ جس ذہنی کوفت کا شکار ہیں اس کو دماغ سے یکسر محو کر ڈالیں۔ انسان پر آزمائشیں آجاتی ہیں اور ان سے کامیابی کے ساتھ گزر کرنا ہی انسان کی اصل معراج ہے۔ باقی آپ گھبرانے کے بغیر ہی کام کرتے رہیں۔ آپ نے جو اپیل کی ہے اس کے انجام سے باخبر کریں [☆۳]۔ اللہ تعالیٰ شاید آپ ہی کے حق میں فیصلہ کرا لے۔ میں آپ کی کامیابی کیلئے دعا کروں گا۔ باقی میری طرف سے جو بھی عملی مدد ممکن ہو گی میں وہ کرنے کیلئے تیار ہوں۔

آپ اپنے آپ کو بالکل اکیلا محسوس نہ کریں وقت آنے پر آپ کو خود ہی اس کا اندازہ ہو گا۔ لیکن آپ ضرور تشریف لائیں۔ تمام مسائل پر یہاں ہی بات چیت ہو گی۔ ہاں تو آپ سے ایک بات کرنی بھول گیا۔ آج جب انجام کے دفتر آرہا تھا تو مقبول کشمیری [☆۴] اپنے افسانوی انداز میں "دفتر" کی کھڑکی پر بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔ شاید کوئی رومانوی ناول ہو گا۔ خیر میری طرف اس نے خواہ مخواہ دیکھا اور میں اس کے انتظار

☆۱ چراغ الدین راولپنڈی صدر میں ایک کشمیری ٹیلر ماسٹر تھا مقبول بٹ نے اپنے دوست جی ایم مفتی سے وعدہ کیا تھا کہ میں چراغ الدین سے تمہیں ارزاں نرخوں پر کپڑے سلوا کروں گا۔

☆۲ یہ دو سستے قسم کے کپڑے تھے جو اس وقت خواتین میں بہت مقبول تھے۔

☆۳ مکتوب الیہ جی ایم مفتی چونکہ KLM کی تحریک میں گرفتار رہ چکے تھے۔ چنانچہ پنڈی گارڈن کالج کے طالب علم کی حیثیت سے انھیں جو وظیفہ ملتا تھا وہ بھی بند کر دیا گیا جس کے خلاف مفتی صاحب نے اپیل کی تھی۔

☆۴ مقبول کشمیری خفیہ ایجنسی کا ایک اہل کار تھا۔ وہ روزنامہ امروز میں بھی کام کرتا تھا۔ اس کا آبائی تعلق بارہ مولا سے تھا۔

میں ہی تھا' میں نے سلام کیا اور آپ کے خط کا پیغام دیا۔ کہنے لگا "ڈاکیا صاحب آپ کا شکریہ" میں نے جواب دیا "ایک سچے اور مخلص دوست کا ڈاکیہ بننا اس سے بہتر ہے کہ ایک "مخصوص" دوست کا شناسا بن جاتے اور وہ بھی ایک ایسا پھول جو شہد کی گئی مکھیوں کیلئے رس بہم پہنچائے"۔ خیر وہ الو کیا سمجھتا۔

ایک اعلان مظفر آباد سے کوہستان میں چھپا ہے کہ مقبوضہ کشمیر کے لئے ڈاک کی ترسیل کی اجازت دے دی گئی ہے۔ معلوم نہیں کس حد تک درست ہے۔ اگر واقعی ایسا ہو جائے تو بڑا اچھا ہو گا۔

یار جب سے تم گئے ہو "زندگی زندگی نہیں" والی مثال بن گئی ہے [1☆]۔ کشمیر سے شاعر دوست نے کچھ بند لکھے ہیں۔ ایک تم کو سناؤں۔

تم بھی ہوتے ہم بھی لاتے تاب غم   یہ جہنم زار بن جاتا ارم
پر کشش پر سوز بھی ہے اور نفیس   یاد آئی ہے تمہاری ہم جلیس

ہاگرو صاحب [2☆] کے دو خط آچکے ہیں اور اب عنقریب ہی تیسرا بھی آ رہا ہو گا۔

یار ایک کام تو کر لو۔ غلام نبی میر اگر مل جائے تو اس کو سلام عرض کر کے یہ شکایت کر دو کہ ان کے نام خط ارسال کیا تھا مگر جواب نہ دارد [3☆]۔ ان کو میرا پتہ دے کر بتائیے کہ اب آپ کے لکھنے کی باری ہے۔ ان سے اپنا صحیح پتہ بھی لکھنے کے لئے کہہ دیں۔ میں نے ان کو "یونیورسٹی بکڈپو" کی معرفت خط بھیجا تھا۔ نہ معلوم ان کو ملا۔ اگر ملا تو جواب کیوں نہیں بھیج دیا۔

باقی آئندہ لکھوں گا۔ اس وقت رات کا ایک بج چکا ہے۔ کاپی تیار ہو گئی ہے اس کو دیکھ کر ابھی دفتر سے روانہ ہو جاؤں گا [4☆] پھر رات بھر سو کر کل پھر کسی اور کام میں مشغول ہو جاؤں گا۔ بھیا اپنے دوستوں کو میرا اسلام کہہ دیں۔

خیر اندیش...... محمد مقبول

۱☆ جی ایم مفتی نے ۱۹۵۹ء کے آخر میں تقریباً چھ ماہ تک مقبول بٹ کے ساتھ پشاور میں قیام کیا تھا۔
۲☆ ہاگرو صاحب غالباً مقبول بٹ شہید کے کلاس فیلو تھے۔
۳☆ غلام نبی میر بھی باغ مظفر آباد میں رہتے تھے۔ وفات پا چکے ہیں۔
۴☆ مقبول بٹ شہید ان دنوں روزنامہ "انجام" میں بطور سب ایڈیٹر کام کرتے تھے۔

عبدالخالق انصاری کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ریکس ہوٹل راولپنڈی

۲۲ دسمبر ۱۹۷۰ء

محترم عبدالخالق انصاری صاحب

سلام مسنون:

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہونگے۔ میں نے پاکستان کی بدلتی ہوئی سیاسی صورتحال کے پیشِ نظر جماعت کی سیاسی مہم کے سلسلہ میں بعض اہم مسائل پر غور و خوض کرنے کی غرض سے چند دوستوں کو صلاح مشورے کے لئے ۲۷ / دسمبر اتوار کو لاہور میں طلب کیا ہے۔ اس صلاح مشورے میں آپ کی موجودگی لازمی ہے۔ میں انشاء اللہ ۲۶ / دسمبر کو بعد دوپہر کسی بھی وقت میرپور میں آپ کے دولت کدے پر حاضر ہوں گا تاکہ وہاں سے ہم اکٹھے لاہور کے لئے روانہ ہو سکیں۔ مجھے آپ کی صحت کی کمزوری کا پورا لحاظ ہے مگر موجودہ صورت حال کا تقاضا ہیکہ ہم سرعت کے ساتھ آگے بڑھیں تاکہ منزل قریب تر ہو سکے۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ آپ یہ تکلیف گوارہ فرمائیں گے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو چوہدری شہباز خان صاحب [☆1] اور صوفی محمد زمان کو بھی آمادہ سفر کرلیں۔ میرا خیال ہے ان کی موجودگی سود مند ثابت ہوگی۔

خیر اندیش

محمد مقبول بٹ

☆1 چوہدری شہباز صاحب آج کل برطانیہ میں قیام پذیر ہیں۔

ڈاکٹر فاروق حیدر کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کوٹ لکھ پت جیل لاہور

۱۵ / ستمبر ۱۹۷۲ء

برادر عزیز ☆۱

السلام علیکم:-

آپ کا نوازش نامہ کافی عرصہ ہوا ملا تھا۔ مگر عدالت کی تعطیلات اور کسی رفیق کے عازم پنڈی نہ ہونے کے باعث جواب نہ دے سکا۔ تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

اس زنداں خانے میں بڑھتی ہوئی سختیوں اور روز افزوں پابندیوں کے بارے میں آپ کی تشویش قابل فہم ہے۔ مگر ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ زنداں آخر زنداں ہی تو ہے۔ رہی ہتھکڑیاں یہ تو ہمارا دل پسند زیور ہے۔ آپ شاید محسوس نہ کرتے ہوں مجھے تو ان کڑیوں سے پیار ہے۔ اور اب تو ہم خاصے Jail Birds ☆۲ بن چکے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مہتاب باغ، سرینگر کا سنٹرل جیل، مظفر آباد کا دلائی کیمپ اور لا ر کا رسوائے زمانہ شاہی قلعہ بھی ہم سے ایمان و ایقان کی قوت صلب نہ کر سکے۔ قیدوبند کی موجودہ صعوبتیں تو محض رسمی ہیں۔ ان سے کیا اثر قبول کیا جا سکتا ہے۔ ویسے آج کل ہم چکی بند ہیں اور سوائے ان لمحات کے جو ہم پیشی کے دوران اکٹھے گزارتے ہیں باقی وقت حکام جیل کے حکم کے مطابق تنہائی میں گزرتا ہے۔

اس ملک کے قید خانے بھی عجیب ادارے ہیں جہاں زندگی کی روشیں حکام کے

☆۱ مقبول بٹ شہیدؒ نے یہ خط ڈاکٹر فاروق حیدر کو کوٹ لکھ پت جیل (لاہور) سے لکھا ان دنوں وہ گنگا ہائی جیکنگ کیس کے سلسلے میں زیر حراست تھے۔ ڈاکٹر فاروق حیدر کو "برادر عزیز" کہہ کر مخاطب کیا ہے۔

☆۲ قید خانے کے عادی پرندے۔

تبادلے کے ساتھ ہی بدلتی رہتی ہیں۔ انسانوں پر مشتمل ان قید خانوں کے ناخدا جب اپنی شاہانہ ترنگ میں آتے ہیں تو انسانوں کو دی جانے والی اذیت میں انہیں یک گونہ لذت محسوس ہوتی ہے۔ ان کی یہ ذہنی بجائے خود مطالعہ کا ایک مواد ہے۔ بڑا ہی دلچسپ مواد۔ بیسویں صدی کے ان جاہلوں کو جنھیں اپنی جھوٹی صلاحیتوں پر بے جا پندار ہے' یہ کون سمجھائے کہ تم' تمہارے اطوار' تمہارے ضابطے اور قوانین ایک بے معنی نمائش کے سوا کچھ بھی نہیں اور اس نمائش پر قائم تمہارا یہ پندار اپنا منہ آپ چڑھانے والی بات ہے۔ ویسے اس بازیگری میں بھی تفریح کا ایک پہلو ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس تفریح سے لطف اندوز ہونے کے لئے دل و دماغ حاضر ہوں۔ رہے "ظلمتوں کے سینے" یہ تو چاک ہونے کے لئے ہی وجود پاتے ہیں اور حق کا سورج طلوع ہو کر ہی رہتا ہے۔

آپ کو یہ کیا سوجھی کہ پنڈی کی ٹھنڈی ہواؤں کا ذکر کردیا اور یوں لاہور کی گرمی کی شدت کا احساس زندہ کردیا۔ اپنے یہاں تو اب گرمی اور خنکی کا احساس ہی تقریباً" مٹ چکا ہے۔ ☆۱ یہ اب گویا قصۂ پارینہ ہے جو صرف یادوں کے ساتھ ہی قائم ہے۔ خاص طور پر ڈیرہ اسماعیل خاں کی جلد کو سیاہ کرنے والی گرمی سے آشنائی حاصل کرنے کے بعد اب اپنے اوپر فارسی کا وہ شعر صادق آتا ہے' جس میں شاعر نے کیا خوب کہا تھا۔

حورانِ بہشتی را دوزخ بود اعراف
از دوزخیاں پرس اعراف بہشت است ☆۲

آزمائش کا یہ مرحلہ واقعی طویل ہوتا جارہا ہے اور اس میں بقول آپ کے ہمارا کیا قصور۔ میرا خیال ہے کہ نومبر کے آخر تک قانونی موشگافیوں کی یہ بے ہودہ ورزش اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گی۔ رہا اصل فیصلہ وہ تو میدان کارزار ہی میں ہوگا۔ خواہ "انصاف و قانون" کے مدعی اپنے موقلم کی سیاہی کسی بھی عنوان صرف کیوں نہ کریں۔

☆۱ حصولِ مقصد کی خاطر جسم و جاں اگر اذیتیں برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں تو پھر گرمی سردی اور آرام و تکلیف کا احساس واقعی مٹ جاتا ہے۔

☆۲ ترجمہ: "جنتی حوروں کے لئے اعراف دوزخ کی مانند ہے اور اگر دوزخیوں سے پوچھا جائے تو ان کے نزدیک اعراف ہی جنت ہے۔"

آپ کی تحریر کردہ نظم کے اشعار بہت پسند آئے۔ بڑی حد تک حسب حال ہے۔ رجعت پسندی اور فرسودگی کے علمبردار اگر الووں کی اس منظوم گفتگو سے بھی کوئی سبق حاصل نہ کریں تو پھر ان کی شومئی قسمت پر سوائے آنسو بہانے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

تعمیر مکان کی تکمیل پر مبارکباد قبول فرمایئے۔ نام دونوں سعید ہیں۔ "محاذ منزل" کچھ زیادہ ہی دل کو بھاتا ہے۔ ویسے آپ کی پسند ہماری بھی پسند۔ آپ کی وہاں فزود منتقلی بہتر ہے۔ اس مقام سے ویسے بھی ہم سب کا خاص لگاؤ ہے۔

کافی عرصہ سے بچوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔ آخری اطلاع کے مطابق وہ ایبٹ آباد میں مقبول صاحب کے ہاں مقیم تھے۔ آپ کے جذبات خیر سگالی کا شکریہ۔ گوگی ہوشی اور دوسرے تمام احباب اور عزیزوں کو میرا سلام کہہ دیں۔

بھائی صاحب اور ہمشیرگان کو سلام عرض کریں اور عزہ اور میزد کو پیار۔ ان سے میرا ذکر کرنا نہ بھولئے گا۔

آخر میں اپنے رفیقانِ زنداں کا محبت بھرا سلام

آپ کا بھائی

محمد مقبول بٹ

یوسف زرگر کے نام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کیمپ جیل لاہور
۳۰ / جنوری ۱۹۷۳ء

برادرم زرگر صاحب

السلام علیکم:۔

یقین جانیں کہ آپ اور آپ کی بے لوث محبت سے ہی ظلمت کے ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں امیدوں کے چراغ روشن ہیں۔ پھر بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ کی یاد لمحہ بھر کے لیے بھی ذہن سے محو ہو جائے۔ اپنے لئے تو آپ جیسے دوستوں کا خلوص اور جذبہ ایثار و قربانی ہی سب سے بڑی متاع ہے۔ ایک ایسی متاع عزیز جس پر فخر بھی کیا جا سکتا ہے اور بھروسہ بھی۔

پرسوں ہی نسیم صاحب [۱☆] ملنے آئے تھے ان کے ساتھ عبداللہ [۲☆] بھی تھے۔ ان کی زبانی آپ کا پیغام محبت ملا اور وہ پر خلوص تحفہ بھی جو شاید آپ نے ماضی کی یادیں تازہ کرنے کے لیے بھیج دیا تھا۔ [۳☆] ماضی کی یہ یادیں بھی کیا عجب شے ہیں، اتنی حسین کہ ان کے افسانوی ہونے کا گمان ہوتا ہے اور دردوسوز سے اس قدر بھرپور کہ دل تڑپ اٹھتا ہے۔ حال کے سیاسی رشتوں کو تو جانے دیجئے آپ کے اظہار محبت نے یادوں کے

۱☆ نسیم لون۔ گوجرانوالہ میں رہائش پذیر ہیں۔ مقبول بٹ شہید کے مخلص دوستوں میں شمار ہوتے ہیں۔

۲☆ عبداللہ کا تعلق مظفر آباد کے علاقہ ہلمت سے تھا۔

۳☆ یوسف زرگر نے مقبول بٹ شہید کے لئے کلچے بھیجے تھے۔ کلچے کشمیر کی خاص سوغات ہے۔ یہ میدے سے تیار کیے جاتے ہیں جنہیں کشمیری لوگ نمکین چائے کے ساتھ بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔

سمندر میں گویا تلاطم پیدا کر دیا۔ میں تو گھنٹوں ماضی کے اس حسین دور میں کھویا رہا جب اوائل جوانی میں ہم لوگ ایک والہانہ جذبے کے ساتھ اپنے محکوم وطن کی آزادی کی تحریک میں اپنی اپنی بساط کے مطابق بھرپور حصہ لیتے تھے۔ میری نگاہوں کے سامنے اس وقت بھی اس حسین اور رومان پرور شہر[1] کی گلیاں ہیں جس نے آپ کو جنم دیا اور مجھے پروان چڑھایا۔ وہی گلیاں جہاں کبھی آپ مستانہ وار آزادی کے نعرے لگایا کرتے تھے اور اس جرمِ حق گوئی کی پاداش میں آزادی کے دشمنوں کے ظلم و ستم کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے چلے جاتے۔

واللہ بارہمولہ پر پڑنے والی سورج کی زرد شعاعیں. اس کی سونی فضائیں اور اس شہرِ درد آشوب کے در و دیوار یوسف،[2] مفتی،[3] پرویز[4] اور مجاہد عبداللہ[5] کی والہیت، جذبۂ شوق اور جنگ آزادی سے ان کی دلی وابستگی اور اس راہ میں برداشت کی جانے والی کلفتوں کی گواہی دیں گے۔ میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا بات باعث افتخار ہو سکتی ہے کہ اس رواں دواں قافلے کا شریک سفر تھا اور ان جیسے بے لوث افراد کی دوستی اور محبت کا امین۔ بھلا وہ منظر بھی بھلائے جا سکتے ہیں جب یوسف اور عبداللہ کی ننگی پیٹھوں پر کوڑے برستے تھے اور شوقِ آزادی کے جرم میں انہیں سرینگر کے زنداں خانے کا طواف کرنا پڑتا۔ یا پھر وہ احساس درد بھی کبھی محو ہو سکتا ہے جو پرویز اور مفتی کی جبری

☆1 بارہ مولا- بھارتی مقبوضہ کشمیر کا ایک خوبصورت شہر' مقبول بٹ شہید اسی ضلع کے ایک گاؤں تریگام میں پیدا ہوئے۔

☆2 یوسف زرگر۔

☆3 جی ایم مفتی- مقبول بٹ شہید کے دیرینہ ساتھیوں میں سے ہیں- ہفت روزہ قائد. شائع کرتے رہے۔ اب اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔

☆4 پرویز کا تعلق بارہ مولا سے تھا۔

☆5 مجاہد عبداللہ نے تحریک آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں سخت اذیتیں اٹھائیں۔

جلا وطنی سے پیدا ہوا تھا۔ ۱☆کیا وہ شفقتیں فراموش کی جاسکتی ہیں۔ جو بدرو ۲☆، ہواباز ۳☆ اور پروفیسر مقبول احمد شیخ کے ۴☆ بے داغ سیاسی کردار ہی کا حصہ تھیں؟۔

یہ تو خیر اللہ ہی کو معلوم ہے کہ قفس کے اس حصے میں پڑے ہوئے ان اسیران بلا کا کیا حال ہے۔ تاہم ہمارے لیے ماضی کی ان محبت سے لبریز رفاقتوں کے علاوہ اور کیا باعث اطمینان ہو سکتا ہے۔ یادوں کے اس حسین مرقع کے کتنے ہی گوشے ہیں جو رہ رہ کر ذہن میں ابھرتے ہیں۔ کس کس کا بیاں کروں۔ اس کے لیے تو دفتر چاہیے۔ اور ڈر تو اس بات کا ہے کہ اس سلسلے میں نوک قلم سے نکلنے والا ہر لفظ دردو گداز کی پنہائیوں کو اپنے اندر سمیٹ جاتا ہے۔ پھر ان زخموں سے آپ کا دل بھی تو بوجھل ہو جائے گا۔ اس لیے بس کرتا ہوں۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے درمیاں یک گونہ سیاسی رشتہ ہے۔ اور میری ان غیر سیاسی باتوں سے آپ قدرے حیران بھی ہوں گے۔ مگر کیا آپ کو دوستی اور محبت کے اس لازوال رشتے سے انکار ہے جو ہمارے درمیاں اس وقت بھی قائم تھا جب آپ سیاسی طور پر ہمارے حریف کیمپ میں شامل تھے۔ ۵☆ میں تو لمحہ بھر کیلئے بھی یہ بات باور کرنے کو تیار نہیں کہ اس وقت بھی آپ کے دل میں میرے لیے سوائے الفت و مودت کے اور کچھ

۱☆ پرویز اور جی ایم مفتی کو مجاہدانہ سرگرمیوں کی پاداش میں جبراً کشمیر سے نکال دیا گیا۔ اول الذکر کچھ عرصہ بعد واپس چلے گئے لیکن مفتی صاحب یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

۲☆ غلام محی الدین بدرو محلہ جلال صاحب بارہ مولا کے رہنے والے تھے' تحریک آزادی کے لیے ان کی بڑی قربانیاں ہیں۔

۳☆ غلام قادر ہواباز۔

۴☆ پروفیسر مقبول احمد شیخ بارہ مولا کالج کے پروفیسر تھے ان کا جرم یہ تھا کہ وہ نئی نسل کو حریت کا درس دیتے تھے بھارتی حکومت نے ان پر بہت ظلم ڈھائے۔

۵☆ یوسف زرگر مقبوضہ کشمیر سے ہجرت کر کے آئے تو مسلم کانفرنس والوں کے ہتھے چڑھ گئے لیکن جب مقبول بٹ شہید محاذ رائے شماری کے صدر بنائے گئے تو زرگر صاحب بھی اس قافلے سے آن ملے۔

تھا۔ ☆۱ اور پھر جب ہمارے سیاسی نظریات میں ہم آہنگی پیدا ہوئی تو آپ نے مظفر آباد کے اس کنونشن میں اپنی روایتی مستانہ واری کے ساتھ ہماری جماعت میں شمولیت اختیار کر کے اپنے اسی جذبہ محبت کا اظہار اشکبار آنکھوں سے کیا تھا۔ آپ کے وہ آنسو ہماری لازوال محبت کے ماتھے پر تا ابد چمکتا ہوا جھومر رہے گا۔

آپ نے عبداللہ کے ہاتھ جو کلچے بھیجے تھے وہ مل گئے ہیں۔ کہنے کو تو یہ محض کھانے کی عام چیز ہیں، مگر آپ کو نہیں معلوم کہ وطن سے دور اس زنداں خانے میں ان کی خوشبو اور لذت کیا درجہ رکھتی ہے۔ آپ کو بتا ہی دیتا ہوں۔ میں جب NLF کی تنظیم کیلئے مقبوضہ کشمیر میں سب سے پہلے بار ہمولہ پہنچا تھا تو اپنے اس عظیم دوست نے جسکی پرعزم اور بے لوث رفاقت تادمِ گرفتاری میرے ساتھ جاری رہی اور جس کے جواں چہرے پر غم واندوہ کے طوفانوں میں بھی ایک خوش کن مسکراہٹ کھیلتی تھی، پہلے ہی روز مجھ سے اپنے من پسند کھانے کی فرمائش کی۔ شاید اس کا خیال تھا کہ آٹھ برس کی جلاوطنی نے میرے کام ودھن کا مذاق بدل دیا ہو۔ میں نے چھوٹتے ہی جواب دیا کہ نمکین چائے، کلچے اور ساگ میری طرف سے لازمی سمجھو باقی جو آپ کی مرضی۔ وہ قدرے حیران ہوا اور میری فرمائش کو کسی حد تک کسرِ نفسی سمجھنے لگا۔ مگر جب میں نے بالاصرار وطن کی ان اشیائے خوردونوش کے بارے میں اپنی تشنگی کا اظہار کیا اور اسے یہ باور کرایا کہ فرصت کے لمحات میں ماضی کی مانوس چیزوں سے انسان کی شیفتگی کس حد تک بڑھ جاتی ہے، تو اسے میری بات ماننی ہی پڑی۔ یوں خلوص و محبت کے پیکر، اس بے تکلف مگر مہمان نوازی میں حد درجہ وضعدار دوست جناب غلام محمد شمیم ☆۲ جسے طالبعلمی کے شوخ زمانے میں بھی ہم احتراماً (عامہ صاب) "غلام محمد صاحب" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ مہمان نوازی کے روایتی کشمیری تکلف سے دستبردار ہونا پڑا۔

جذبات میں آکر خط کو یوں ہی طویل کر گیا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ آپ اس سے بور ہوں گے۔ مگر کچھ دل کے ہاتھوں مجبور تھا اس لیے کہ آپ سے دوستی جو ٹھہری۔ پھر

☆۱ یوسف زرگر بٹ صاحب کے اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔

☆۲ غلام محمد شمیم بٹ صاحب کے دیرینہ دوستوں میں سے ہیں۔ بارہ مولا کے رہنے والے ہیں۔

سنائیے مظفر آباد کا کیا حال ہے۔ ہمارے دوسرے دوستوں اور رفیقوں کے مزاج کیسے ہیں اور اپنے لالہ [☆1] کے مزاج کیسے ہیں' اکبر صاحب' [☆2] قریشی صاحب' [☆3] نذیر صاحب [☆4] اور حنیف صاحب [☆5] کیسے ہیں۔ حبیب جو [☆6] اور بشیر احمد لون [☆7] کی کیسے گزرتی ہے عبدالستار [☆8] آج کل کیا کر رہے ہیں۔ ان تمام رفیقوں اور دوسرے ورکروں کو میرا محبت بھرا سلام کہہ دیں۔ عبدالغفار رشی [☆9] اور مقبول نائیک [☆10] اور اگر ہو سکے تو محمد یسین بڈھانہ [☆11] کی خدمت میں میرا آداب عرض کریں۔

کیا میں یقین رکھوں کہ آپ سب کی موجودگی میں تحریک حریت کی وہ شمع جو ہم نے اپنا خون دے کر روشن کی ہے مخالفت اور مخاصمت کے طوفانوں میں بھی جلتی رہے گی۔

☆1 غلام دین لالہ (مرحوم) پاکستان ہوٹل (مظفر آباد) کے مالک۔

☆2 اکبر پلاٹی۔ مظفر آباد۔

☆3 رشید قریشی محاذ کے سرگرم رکن تھے بقید حیات ہیں۔

☆4 نذیر احمد پاک واچ ہاؤس مظفر آباد۔

☆5 حنیف قریشی محاذ کے کارکن تھے۔ بقید حیات ہیں۔

☆6 حبیب جو ۱۹۶۵ء میں ہجرت کر کے آئے اور مقبول بٹ شہید کی فکر سے متاثر ہو کر محاذ سے وابستہ ہو گئے۔

☆7 بشیر لون مظفر آباد میں قیام پذیر ہیں ان کا شمار مقبول بٹ شہید کے جانثار سپاہیوں میں ہوتا ہے۔

☆8 عبدالستار کشمیر شال ہاؤس والے۔

☆9 عبدالغفار رشی کا تعلق مقبوضہ کشمیر سے ہے۔ آج کل چکار میں رہائش پذیر ہیں انہیں یہ شرف حاصل ہے کہ مقبول بٹ آخری بار اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ انہی کی راہنمائی میں وادی کشمیر میں داخل ہوئے۔

☆10 مقبول نائیک چکار میں رہتے ہیں۔ انھوں نے تحریک آزادی میں مجاہدانہ کردار ادا کیا۔

☆11 محمد یسین چوہدری آزاد کشمیر کے خوبصورت خطے وادی لیپا کے رہنے والے ہیں۔ مقبول بٹ شہید جب ۱۹۶۸ء میں سری نگر جیل سے فرار ہوئے تو محمد یسین بھی ان کے ہمراہ تھے۔ چوہدری صاحب جدوجہد آزادی میں مسلسل سرگرم عمل ہیں۔

اور اپنی ضیا پاشیوں سے سچائی کے متلاشیوں کو راہ حق کے پہچاننے میں مدد دیتی رہے گی۔ اگر ایسا ہے تو زنداں کی یہ صعوبتیں میرے اور میرے ساتھیوں کے لیے پر کاہ کے برابر بھی نہ ہوں گی۔ دیکھیے اپنے ارشاد بچھ صاحب اور مفتی صاحب کو میرا سلام کہنا نہ بھولیے گا۔

اپنی خیریت کی اطلاع کبھی کبھی دیا کریں ۔ امید ہے آپ اور بھابی جان دونوں خوش و خرم ہوں گے۔

فقط والسلام
آپ کا بھائی
مقبول احمد بٹ

عذرا میر کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیمپ جیل لاہور
۲/اپریل ۱۹۷۳ء

پیاری عذرا بیٹی

اللہ تجھے سدا اسلامت رکھے

روبینہ بیٹی ☆۱ تمہاری خالہ ☆۲ کے ساتھ ۲۶ مارچ کو ملاقات کے لئے آئی تھی اور اس نے تمہارا خط دیا تھا۔ جواب لکھنے میں اس لئے دیر ہوئی کہ دوسرے ہی روز یعنی ۲۷ مارچ کو ہم سب دوستوں کو کیمپلپور جیل سے منتقل کر کے کیمپ جیل لاہور بھیج دیا گیا۔ گو اس جیل میں ہم پہلے بھی رہ چکے ہیں مگر پھر بھی یہاں کے نئے ماحول میں کچھ دشواریاں پیش آئیں اس لئے آپ کو جلدی جواب نہ دے سکا۔

پیاری بیٹی تمہارا خط پڑھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ تمہارے خیالات کتنے اچھے اور نیک ہیں۔ اس خط سے اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی میں تمہارے دل کو احساس کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے۔ یہ ایک بڑی نعمت ہے۔ تمہارا خط پڑھنے کے بعد میں کافی دیر تک سوچتا رہا کہ اس چھوٹی عمر میں تجھے ان مشکل حالات کا کتنا احساس ہے جن سے ہم لوگ آج کل گزر رہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری سوچنے سمجھنے کی قوت میں اضافہ کرے، تیرے ننھے سے دل میں اپنی قوم کی غلامی کے باعث جو درد پیدا ہوا ہے وہ بڑھتا جائے اور تو اس قابل ہو جائے کہ کشمیر کی ہر بیٹی فخر سے تمہارا نام لے۔

پیاری عذرا مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم لوگوں نے جو سختیاں جھیلی ہیں ان

☆۱ روبینہ، مکتوب الیہ کی چھوٹی بہن اور جی ایم میر کی بیٹی ہیں۔
☆۲ مقبول بٹ شہید کی زوجہ محترمہ راجہ بیگم۔

سے تمہارے دل کو صدمہ پہنچا ہے۔ جس طوفان سے ہم لوگ گزرے اس نے تجھے بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا کیونکہ ہمارے ساتھ قید و بند اور تشدد برداشت کرنے والوں میں تمہارے والد محترم بھی شامل تھے۔ ☆[1] میر صاحب کی نظر بندی کا خیال آتے ہی میری آنکھوں کے سامنے ہمیشہ تمہاری اور روبینہ کی معصوم صورتیں آ جاتیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے ظلم و ستم کی آندھیاں دو ان کھلی کلیوں کو مرجھانے پر تل گئی ہوں۔ پھر مجھے گزرے وقتوں کے وہ لمحے یاد آتے جب تم اور روبینہ ایبٹ آباد کی خوشگوار فضاؤں میں پپو ☆[2] اور گگو ☆[3] کے ساتھ دنیا کے غموں سے بے خبر ہنسی خوشی اور کھیل کود میں مصروف ہوتیں۔ کوئی سنگدل ہی ہوگا جو تم جیسے چھوٹے اور معصوم بچوں کی پیاری پیاری آنکھوں میں آنسو دیکھنا گوارہ کرتا۔ مگر آزادی کے دشمنوں کو یہی منظور تھا۔ جس کسمپرسی اور بے بسی سے تم بھی دوچار رہے اس سے ان جیل خانوں میں بھی ہم لوگ بے چین رہے۔ تاہم یقین تھا کہ جس آزمائش سے ہم لوگ دوچار ہیں اس نے گو آپ کو ہماری شفقتوں سے کچھ عرصہ کے لئے محروم کر دیا مگر اس کے باعث آپ کی سوچ میں انقلاب آ جائے گا اور بچپن کی اٹکھیلیوں کے ساتھ ساتھ آپ کے احساس میں شدت پیدا ہو جائے گی' بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔ تمہارا خط پڑھ کر یہ یقین اور بھی پختہ ہو گیا۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ مجاہدوں کی اولاد ظالموں کی اولاد سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ ظالموں کی اولاد اپنی آنکھوں سے انسانوں پر ظلم ہوتے دیکھتی ہے مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ مجاہدوں کی اولاد ظلم کو برداشت ہی نہیں کر سکتی۔ جب ظلم ہوتا ہے تو وہ خون کے آنسو روتی ہے اور اس میں ظالموں کے خلاف جنگ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ظالموں کی اولاد کو دنیا کی ہر آسائش اور آرام مہیا ہوتا ہے' انہیں کھانے کی ہر قسم کی نعمت' پہننے کو زرق برق پوشاک اور رہنے کو اعلیٰ درجے کی رہائش میسر ہوتی ہے اور وہ اسی میں خوش ہوتے ہیں۔ مگر مجاہدوں کی اولاد دنیا کے آرام اور آسائش کو نفرت کی نظر

☆۱ جی ایم میر
☆۲ مقبول بٹ شہید کے بڑے بیٹے جاوید مقبول بٹ جنہیں پیار سے پپو کہا کرتے تھے۔
☆۳ مقبول بٹ شہید کے چھوٹے بیٹے شوکت مقبول بٹ جنہیں پیار سے گگو کہا کرتے تھے۔

سے دیکھتی ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کی عمارت گرنے والی ہوتی ہے اور اس کو مسمار کرنے کی جدوجہد میں ہی ان کو اطمینان اور خوشی ملتی ہے۔ یہ خوشی اور اطمینان نہ تو کسی دنیاوی نعمت سے مل سکتا ہے نہ زرق برق لباس یا اعلیٰ درجے کی رہائش سے میسر آسکتا ہے۔ جبھی تو مجاہدوں کی اولاد کا نعرہ ہوتا ہے۔

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر
تو وہ خوف و ذلت کے حلوے سے بہتر

پیاری بچی دنیا کی ہر غلام قوم کے بچوں کو نہ صرف ظالم آقاؤں کے ظلم و ستم کو سہنا پڑتا ہے بلکہ آزادی کی جنگ میں اپنے بڑوں کے ساتھ شانہ بشانہ لڑنا بھی پڑتا ہے۔ غلامی ایک ایسی لعنت ہے جو چھوٹے اور بڑے میں تمیز نہیں کرتی۔ غلامی میں جہاں بڑے اور بوڑھے سختیاں اور اذیت ناک تشدد برداشت کرنے پر مجبور کئے جاتے ہیں وہاں بچوں پر بھی اس کے اثرات پڑتے ہیں۔ میں آپ کو صرف چند ایسی باتیں بتاؤں گا جن سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ہماری قوم کے بچوں کو غلامی کے باعث کیا کیا مصیبتیں برداشت کرنا پڑی ہیں۔

یہ غالباً ۱۹۴۵ء یا ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے، تب میری عمر آٹھ یا نو برس کے لگ بھگ تھی۔ اس زمانے میں کشمیر پر ڈوگرہ خاندان کی حکمرانی تھی اور پوری کشمیری قوم غلامی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ غلامی کی ایک بہت بڑی لعنت جاگیرداری ہوتی ہے۔ جاگیرداری اس طرح قائم ہوتی ہے کہ بادشاہ اپنی سلطنت کی زمینیں چند لوگوں میں تقسیم کرتا ہے۔ یہ لوگ چونکہ بادشاہ کے وفادار ہوتے ہیں اور رعایا پر ظلم و جبر کرنے میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ اس لئے ان کی اس خدمت کے بدلے میں انہیں بڑی بڑی زمینوں کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔ یہ زمینیں ان کی جاگیریں کہلاتی ہیں۔ جاگیردار نہ تو ان زمینوں میں ہل چلاتے ہیں اور نہ ہی بیج بوتے ہیں۔ وہ کوئی محنت نہیں کرتے۔ ہل چلانا، بیج بونا اور فصل تیار کرنا کسان کا کام ہوتا ہے۔ جاگیردار کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ جب فصل تیار ہو کر کاٹی جاتی ہے تو وہ آدھمکتا ہے اور کسان کے لئے ایک حقیر سا حصہ چھوڑ کر باقی سارا اناج اٹھا کر لے جاتا ہے۔

ڈوگرہ حکمرانوں نے بھی ہمارے وطن میں جاگیردار مقرر کئے ہوئے تھے۔[1☆] محنت ہمارے غریب کسان کرتے تھے مگر زمینوں اور فصلوں کے مالک یہی جاگیردار ہوا کرتے تھے۔ ہمارے علاقے کی زمینوں کا مالک دیوان نام کا ایک جاگیردار تھا۔گو ہم نے اس جاگیردار کو کبھی دیکھا بھی نہیں تھا مگر اس کے ایجنٹ جن کو کار دار کے نام سے پکارا جاتا تھا' کسانوں سے اناج اور پھل جمع کرتے۔ جب یہ واقعہ پیش آیا اس برس محض موسمی آفتوں کے باعث فصلیں تباہ ہوگئی تھیں لہٰذا پیداوار نہ ہونے کے برابر تھی۔ پیداوار میں کمی کے باعث کسان جاگیردار کو اتنی مقدار میں اناج فراہم نہ کرسکے جتنی مقدار میں وہ پہلے سے کرتے آئے تھے۔ اس پر جاگیردار کے کار داروں نے پورے علاقے میں ظلم و تشدد شروع کیا۔ غریب کسانوں کے گھروں اور کھلیانوں پر چھاپے مارنے شروع کئے' انکے جسموں پر کوڑے برسائے گئے مگر ان کے پاس تھا ہی کیا جو جاگیردار کو دیتے۔ جب غلہ مقررہ مقدار میں جمع نہ ہوا تو جاگیردار ایک موٹر گاڑی میں سوار ہو کر ہمارے گاؤں آیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب ہمارے گاؤں موٹر گاڑی آئی تھی اور ہم اس کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ ہمارے علاقے کے کسانوں نے جمع ہو کر جاگیردار سے بڑی منت سماجت کی کہ انہیں کچھ چھوٹ دی جائے۔ جاگیردار کو پیداوار میں کمی کی پوری تفصیل بتائی گئی مگر وہ کسانوں کی بات ماننے پر تیار نہ ہوا اس کا اصرار تھا کہ کچھ بھی ہو' کسانوں کے بیٹے بھوکے کیوں نہ مریں اس کے حصے کا اناج بہر صورت پورا کردیا جائے۔ جاگیردار نے اپنے کار داروں پر بھی غصہ کیا اور ان کو ہدایت کردی کہ وہ ہر صورت میں اناج کی وصولی مکمل کرلیں۔ ان کارداروں کو بھی معلوم تھا کہ کسانوں کے پاس جاگیردار کو دینے کیلئے اب کچھ باقی نہیں رہا تھا مگر وہ اس کے حکم کے سامنے سرتابی کیسے کرسکتے تھے۔ جاگیردار جب یہ ہدایات دینے کے بعد موٹر میں سوار ہونے لگا عین اسی وقت گاؤں کے تمام بچوں سے کہا گیا کہ وہ جاگیردار کی گاڑی کے سامنے سڑک پر لیٹ جائیں۔ اس منصوبے میں کاردار بھی شریک تھا۔ چنانچہ

☆1 ۱۹۴۷ء سے قبل ڈوگرہ حکمرانوں نے ریاست جموں کشمیر میں ہر طرف جاگیرداری نظام مسلط کر رکھا تھا بعد ازاں مقبوضہ کشمیر سے شیخ عبداللہ نے اور آزاد کشمیر سے جناب کے ایچ خورشید نے اس نظام کا خاتمہ کیا۔

سیکڑوں کی تعداد میں گاؤں کے بچے جاگیردار کی گاڑی کے سامنے لیٹ گئے اور عرض کیا کہ یا تو اناج کی مزید وصولی معاف کر دی جائے یا ان بھوکے بچوں کو گاڑی کے نیچے روند کر ہلاک کر دیا جائے۔ ان بچوں میں خود میں بھی شامل تھا اور مجھے اب تک یاد ہے کہ اس وقت ایک کہرام مچا ہوا تھا' کیا بچے کیا بوڑھے سبھی اشکبار تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ اگر جاگیردار معافی کا وعدہ کئے بغیر واپس چلا گیا تو اس کے بعد کسانوں کے لئے قیامت برپا کر دی جائے گی۔ چنانچہ کسانوں کے ننگ دھڑنگ اور بھوک کے مارے زرد رو بچوں کی آہ و زاری کو دیکھ کر جاگیردار نے اپنے فیصلے میں کچھ ترمیم کرنے کا وعدہ کیا۔

یہ صرف ایک واقعہ ہے جس سے تجھے اندازہ ہو گا کہ غلامی کے دور میں ہمارے غریب کسانوں اور ان کے ننھے منے پھول سے بچوں کو جاگیرداروں کی لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے کتنے ظلم و ستم برداشت کرنے پڑتے تھے۔ یہ بھی بتا دوں کہ ہمارے وطن میں عوام کی اکثریت کسانوں پر مشتمل ہے اور ہر جگہ ان کو ایسے ہی واقعات سے دو چار ہونا پڑتا تھا یہی وجہ تھی کہ اپنے بھوکے اور ننگے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے ان غریب کسانوں کو بڑی تعداد میں مزدوری کرنے کے لئے وطن سے نکل کر ہندوستان و پاکستان کے میدانی علاقوں خاص طور پر پنجاب میں دربدر پھرنا پڑتا تھا۔ انہی مظلوم انسانوں کو یہاں "ہاتو" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ لوگ سال کے چھ مہینے میدانی علاقوں میں مزدوری کر کے بمشکل کچھ رقم بچا کر واپس وطن جایا کرتے تھے تاکہ اپنے بھوکے بچوں کو روٹی کھلا سکیں۔ یہی حال ان دستکاروں اور چھوٹے تاجروں کا تھا جو اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں کو فروخت کرنے کے لئے برصغیر کے شہروں میں "پھیری" کیا کرتے تھے ان "پھیری والوں" کے بچے بھی اپنے اپنے ابو کی محبت اور شفقت کو ترستے کیونکہ غلامی نے ہماری قوم پر جو غربت اور مفلسی مسلط کی تھی اس کے باعث وہ برسوں وطن سے دور روزگار کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔

جب ہماری قوم میں غلامی کا احساس بڑھ گیا تو اسے صاف طور پر دکھائی دیا کہ جاگیرداروں کی لوٹ کھسوٹ سے نجات پانے اور عزت کا مقام حاصل کرنے کے لئے ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے اور یہ آزادی کا راستہ ہے۔ چنانچہ ہمارے عوام نے آزادی کی

جنگ شروع کر دی۔ اس جنگ میں ایک طرف کشمیر کے مجبور، مظلوم اور مفلوک الحال لوگ تھے اور دوسری طرف ڈوگرہ حکمران، ان کے تنخواہ دار ملازم اور وظیفہ پانے والے بڑے بڑے جاگیردار اور سرمایہ دار۔

یہ جنگ ۱۹۳۱ء میں شروع ہوئی اور اس کا ایک مرحلہ ۱۹۴۷ء میں مکمل ہوا، اس جنگ کے دوران ہمارے بے شمار غریب اور بے کس بچوں کو قربانیاں دینی پڑیں۔ کتنے ہی معصوم بچوں کے سہارے ان سے چھن گئے کیونکہ ان کے بڑے بوڑھے ظالموں کے خلاف جنگ میں شہید ہوئے۔ اس طرح ان کے بچے یتیم ہوگئے۔ تمہارے جیسی کتنی ہی بچیوں کو برس ہا برس تک پیار و محبت سے اس لئے محروم رہنا پڑا کہ ان کے ابو ظلم اور غلامی کے علمبرداروں کے ہاتھوں لوہے کی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیئے گئے تھے۔ اس دوران ہماری قوم کے لاتعداد چھوٹے چھوٹے اور معصوم بچوں اور بچیوں کو بے رحم حکمرانوں کے ہاتھوں صدمے اٹھانے پڑے۔

پھر ۱۹۴۷ء کا ریلہ آیا۔ یہ ایک طوفان تھا۔ حالات نے ایسی کروٹ لی کہ ہم غلامی کے ایک دور سے نکل کر دوسرے میں داخل ہوگئے۔ ڈوگرہ شاہی ختم ہوگئی مگر اس کے نتیجے میں وطن دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ ایک حصے پر ہندوستان نے فوجی یلغار کر کے قبضہ کرلیا اور دوسرا حصہ آزاد کہلائے جانے کے باوجود آزادی کی نعمتوں سے مالا مال نہ ہو سکا، اس طوفانی ریلے میں لاکھوں کی تعداد میں نہ صرف ہمارے بڑے بوڑھے بلکہ نوجوان اور بچے بھی شہید ہو کر امر ہوگئے۔ جموں اور وادی کے میدانوں، پونچھ، مظفر آباد اور میرپور کی پہاڑیوں اور کرگل ولداخ کی چٹانوں میں جذب ہمارے جواں سال شہیدوں کے خون کے ساتھ ہماری ان گنت بچیوں اور معصوم بچوں کا لہو بھی شامل ہے۔ ان معصوم شہیدوں کی کوئی یادگار تو نہیں البتہ ان کی گمنام شہادت ہماری قوم کے لئے باعثِ فخر ضرور ہے۔ میں آپ کو کتنے ہی ایسے معصوم اور پھول جیسے بچوں اور بچیوں کی کہانیاں سناؤں جو اس جنگ میں کام آئے۔ اگر یہ کہانیاں سنانے بیٹھ جاؤں تو ایک بہت بڑی کتاب تیار ہو جائے گی۔ یہاں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ ان میں سے بے شمار ایسے تھے جن کو حملہ آوروں نے اسی طرح گولیوں سے بھون کر رکھ دیا جیسے موسم بہار میں کسی درخت پر چہچہاتی چڑیوں کے

جھنڈ پر کوئی بے رحم شکاری بندوق چلائے۔ان میں لاتعداد ایسے تھے جن کو ظلم کے نشے میں بدمست فرقہ پرستوں نے نیزوں اور تلواروں سے اس طرح کاٹا جیسے کوئی خونخوار بھیڑیا بھیڑوں کے گلہ میں گھس کر بھیڑوں کی چیر پھاڑ شروع کر دیتا ہے۔

عذرا بیٹی! ہماری محکوم قوم کے بچوں اور بچیوں کی قربانیوں کا یہ سلسلہ ۱۹۴۷ء میں ہی ختم نہیں ہوا یہ ابھی تک جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک پوری قوم آزاد نہ ہو جائے۔ کیا مقبوضہ کشمیر اور کیا آزاد کشمیر دونوں طرف ہمارے عوام برابر قربانیاں دے رہے ہیں۔ دونوں طرف سے معصوم بچے اور بچیاں غلامی کے ہیبت ناک سایوں میں پروان چڑھ رہے ہیں۔ گزشتہ پچیس برس کی مدت میں نہ معلوم کتنے ہی کشمیری بچے آزادی کے دشمنوں کی قتل و غارت گری کے باعث شہید اور یتیم ہو گئے' کتنے ہی ظلم اور لوٹ کھسوٹ کے باعث بے سہارا ہو گئے اور اس طرح ان سہولتوں سے محروم رہے جو ان کی نشوونما اور تربیت کے لئے ضروری تھیں۔ گزرے ہوئے ان واقعات کی تفصیل لمبی چوڑی ہے۔ ابھی حال ہی میں لندن میں ہندوستانی ہائی کمیشن میں احتجاجی مظاہرہ کے دوران جو دو معصوم بچے شہید ہوئے وہ بھی تو ہماری قوم کے دو پھول تھے۔ میرپور کے بشارت اور حنیف نے لڑکپن میں جام شہادت نوش کر کے نہ صرف ہماری نوجوان نسل کی پرانی روایات کو تازہ کیا بلکہ مستقبل کے لئے ایک درخشاں مثال بھی چھوڑ گئے۔ کشمیری قوم کے ہر بچے کو ان پر فخر ہونا چاہئے۔☆۱

پیاری عذرا یہ جو باتیں میں نے اوپر لکھی ہیں ان کا مقصد یہ بتانا تھا کہ محکوم قوموں کے بچوں کو کن حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ باتیں اس لئے بھی ضروری تھیں کہ تمہارے ننھے سے دل میں وطن کی آزادی کا زبردست جذبہ موجود ہے۔ شاید اسی لئے تمہارے خط کی پیشانی پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

۱☆ بشارت شہید اور حنیف شہید ۱۹۷۱ء کے پاکستانی جنگی قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں بھارتی ہائی کمیشن لندن کے سامنے مظاہرہ کرنے والوں میں شامل تھے۔ ہائی کمیشن کے سیکورٹی گارڈ کی فائرنگ کے نتیجے میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا اور اپنی دھرتی ماں (میرپور آزاد کشمیر) کی آغوش میں ابدی نیند سو گئے۔ بشارت کی قبر پلاک میں ہے اور حنیف کی میرپور شہر میں۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

پھر تمہارا وہ عزم بھی قابل تعریف ہے جو وطن کی آزادی کے لئے تم نے کر رکھا ہے اور جس کا اظہار اس خط میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے "ہم اپنے پیارے وطن کشمیر کی آزادی، بقاء اور مضبوطی کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی پیش کرنے سے گریز نہیں کریں گے" تمہارے اس جذبے اور عزم سے میں بہت ہی متاثر ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سچائی کے اس راستے پر قائم رکھے۔ تمہارے خیالات ترقی کریں اور تمہاری آرزو پوری ہو۔

اب میں آپ کے خیالات کے بارے میں کچھ لکھوں گا جو آپ نے خط میں بیان کئے ہیں آپ نے لکھا ہے کہ "ہم پر جو سختیاں اور مظالم ہوئے ہیں ان کی داستان سن کر آدمی کا دل دہل جاتا ہے لیکن بعض سنگدل اور بے سمجھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ایسی داستانیں پڑھ کر خوشی سے پھولے نہ سماتے ہیں" یہ بات یاد رکھنی چاہئے ظلم کی داستانوں سے وہی لوگ اثر لیتے ہیں جو یا تو خود مظالم کا شکار رہے ہوں یا ان کو ظلم کے خلاف جنگ لڑنے کا تجربہ ہو۔ سنگدل اور بے سمجھ لوگ ظلم کی داستانوں سے کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ وہ نہ تو ان پر خوش ہوتے ہیں اور نہ ہی مغموم، ہاں ایک طبقہ ایسا ضرور ہے جو ان پر خوش ہوتا ہے، یہ طبقہ ظلم کرنے والوں یا ان کے وظیفہ خوار ایجنٹوں کا ہوتا ہے۔ اپنے وطن کی آزادی کے لئے ہم نے جو مظالم سہے ہیں اگر کوئی ان پر خوش ہوتا ہے تو اچھی طرح سے جان لو کہ وہ پوری کشمیری قوم کی آزادی کا دشمن ہے۔ وہ ظلم اور جبر کا حامی اور حق و انصاف کا دشمن ہے۔ ایسے لوگ قابل نفرت ہوتے ہیں اور یہ دنیا میں ہی خوار ہو جاتے ہیں۔ جب حق و انصاف کا بول بالا ہوتا ہے تو ان کے حصے میں رسوائی آتی ہے اور پھر وہ اپنے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ کشمیریوں نے پاکستان کے لئے جانیں دی ہیں مگر پاکستان انہیں اب بھی "جاسوس" قرار دے رہا ہے۔ یہاں آپ کے خیال میں تھوڑا سا نقص ہے، کشمیریوں کو پاکستان نے نہیں بلکہ اس ملک کے غدار حکمران ٹولے نے جاسوسی کا الزام دیا۔ یہ وہی غدار

حکمران ٹولہ تھا جس نے اس ملک کے ٹکڑے کر دیئے۔ جس نے ۲۵ برس تک اس ملک کے عوام کو آزادی اور جمہوریت سے محروم رکھا۔ دراصل یہ غدار حکمران ٹولہ خود "جاسوسوں" سے بھی بدتر کردار کا مالک تھا۔ اس لئے اس نے تمام محب وطن اور عوام دوست لوگوں کو غیر ملکی ایجنٹ یا جاسوس قرار دے دیا۔ جس حکمران ٹولے نے اپنے عوام کے ساتھ دشمنی کی اور اس کے مسلمہ لیڈروں کو جاسوس کہتا رہا اس نے اگر ہم کشمیریوں پر جاسوسی کا الزام لگایا تو اس سے خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔ رہا اصل پاکستان یعنی اس ملک کے عوام تو ان کے سامنے جب بھی حقیقت آئے گی وہ اسے تسلیم کریں گے۔ ہمیں یہاں جو سزائیں دی گئیں وہ پاکستان کے اصل مالکوں نے تو نہ دیں۔ یہ سزائیں اس ظالم حکمران ٹولے نے ہمیں دی ہیں جس نے اپنے ہی عوام پر گولیاں برسائیں۔ ظاہر ہے جو حکمران اپنے عوام کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ بھی ناانصافی ہی کرتے ہیں۔ کشمیری عوام کو پہلے بھی پاکستان کے حکمران طبقہ نے جنگ آزادی میں اس طرح مدد نہیں دی جیسا کہ اسے چاہئے تھا۔ اس طبقے کو تو کشمیر کی آزادی سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ ان کی تمام باتیں سب زبانی جمع خرچ ہیں ان پر بھروسہ کرنا ہی نہیں چاہئے۔ ☆۱

البتہ پاکستان کے عوام ہمارے اصل دوست اور حامی ہیں ان کی مدد کشمیری عوام کو ضرور حاصل ہوگی۔ پاکستان کے عوام میں خلوص بھی ہے اور ہمدردی بھی۔ جب بھی کشمیری آگے بڑھیں گے تو یہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے اور کبھی بھی ان کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

آپ نے ٹھیک ہی لکھا ہے کہ کشمیری حریت پسندوں کو جاسوس قرار دے کر ان حکمرانوں نے دراصل بھارت کی خدمت کی ہے شاید اسی دوغلی پالیسی کے باعث قدرت نے ان کو رسوا کن انجام سے دوچار کر دیا۔

آپ کو خوشی ہے کہ ہم لوگ سچ پر قائم رہے اور آزمائش کے مرحلوں میں حق کو

☆۱ پاکستان کے ہر حکمران ٹولے نے کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی وہ اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے کشمیریوں کی قومی آزادی کا سودا کرتے رہے۔ ان پر بھروسہ کرنا سنگین غلطی تھی۔ جب تک کشمیری یہ غلطی کرتے رہیں گے ان کی منزل دور ہوتی چلی جائے گی۔ کشمیر کی نئی نسل کو چاہئے کہ وہ اس حقیقت کو سمجھے۔

ہاتھ سے نہ جانے دیا- یہ تو اللہ کی مہربانی تھی کہ اس نے ہر مرحلے پر ہماری مدد فرمائی اور ہمیں سیدھے راستے پر گامزن رکھا- دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے- پھر قومی محاذ آزادی انشاء اللہ پہلے سے بھی بڑے کارنامے کر کے دکھائے گا- یہ سوچنا بھی غلطی ہے کہ کشمیری نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے- ہم لوگ پہلے بھی اپنے وطن کے سچے بیٹے تھے اور آئندہ بھی رہیں گے- ہمارے دلوں میں آزادی کا جو جذبہ ہے وہ انشاء اللہ ہمیشہ قائم رہے گا- اس مقصد کے حصول کے لئے ہم دنیا کی ہر طاقت سے ٹکرلیں گے- آپ نے خود ہی تو لکھا ہے کہ کشمیریوں نے وطن کی آزادی کے لئے جو خون بہایا ہے وہ رائیگاں نہیں جائے گا- شہیدوں کا لہو ہمیشہ رنگ لا کر رہتا ہے اور یہ آزادی کا رنگ ہوتا ہے- آپ کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ حق پر قائم رہنے والوں کو دنیا میں آزمائشوں اور امتحانوں سے گزرنا پڑتا ہے- ان لوگوں کی عظمت اسی میں ہوتی ہے کہ وہ صبر اور ہمت کے ساتھ ان کا مقابلہ کریں- آپ کے معصوم دل سے ہماری کامیابی اور سرخروئی کے لئے جو دعا نکلی ہے وہ بارگاہ ایزدی میں ضرور قبول ہوگی- یہ تو خدا کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے کہ جب تک وہ سچائی پر قائم رہتے ہیں دنیا کی کوئی طاقت ان کو اپنے مقاصد میں ناکام نہیں بنا سکتی-

روبینہ اور بپو سے معلوم ہوا کہ آپ کی صحت بالکل اچھی ہے اور تعلیم کی طرف بھی آپ کی توجہ خوب ہے- یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے انسان کی اصل دولت علم ہے- یہ ایسی دولت ہے جو نہ تو کبھی چوری ہوتی ہے اور نہ خرچ- علم کے بغیر انسان نرا حیوان ہے- اس لئے امید کرتا ہوں کہ آپ پڑھائی کی طرف زیادہ ہی توجہ دیں گی-

میری طرف سے اپنی امی جان کی خدمت میں سلام عرض کریں اور روبینہ بیٹی کو بہت بہت پیار-

آپ کا پیارا انکل

مقبول احمد بٹ

ڈاکٹر فاروق حیدر کے نام

(نوٹ) مقبول بٹ شہید نے اپنی عسکری تنظیم جموں کشمیر نیشنل لبریشن فرنٹ کے لیٹرپیڈ پر مذکورہ،
مختصر خط پشاور سے ڈاکٹر فاروق حیدر صاحب کو لکھا تھا۔

STRUGGLE UNTIL VICTORY

JAMMU KASHMIR NATIONAL LIBERATION FRONT

Peshawar — Dated 9-1-1974

Dear Farooq Sahib,

I will be coming down to Pindi by Sunday. Hope to see you there. In the meanwhile you please contact Mr. Aman and see to it that he finalises the issues at his end. I will do the job assigned to me and let you know of the details when we meet. However while discussing things keep in mind the arguments we exchanged last.

With best wishes

Yours

Maqbool Butt

اپنے بیٹے شوکت مقبول کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نئی دہلی

۱۳/ مئی ۱۹۷۹ء

برخوردارم شوکت مقبول

السلام علیکم:-

امید ہے آپ بخیریت ہونگے۔ پچھلے دنوں دھلی میں آپ کے ابو سے جیل میں ملاقات ہوئی۔ ☆۱ بھائی جان بالکل خیریت سے ہیں اور آپ کی خیریت نیک چاہتے ہیں۔ آپ نے ۲۸ فروری ۱۹۷۹ء کو جیل کے پتے پر ان کو جو خط بھیجا تھا وہ کافی دیر کے بعد انہیں مئی کے پہلے ہفتے میں ملا ہے۔ مگر جیل میں کسی وجہ سے وہ آپ کو براہِ راست ابھی تک جواب نہیں لکھ سکے ہیں۔ جونہی ان کو جیل حکام کی طرف سے سہولت ملے گی وہ آپ کو جواب تحریر کریں گے۔ فی الحال انہوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ ان کی طرف سے آپ کو یہ خط تحریر کروں۔ لہٰذا آپ اس خط کو انہی کی طرف سے خیریت کی اطلاع سمجھ لیں۔ میں کم و بیش انہی کے الفاظ میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔

بھائی جان کو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ خیریت سے ہیں اور وہ آپ کی خیریت اور سلامتی کے لئے ہر وقت دعا کرتے رہتے ہیں۔ انہیں اس بات سے بھی خوشی ہوئی ہے کہ آپ اور آپ کے بھائی جان (پپو) ☆۲ کی تعلیم جاری ہے۔ انہیں امید ہے کہ

☆۱ مقبول بٹ شہید نے تہاڑ جیل سے یہ پہلا خط اپنے بیٹے شوکت کے نام لکھا۔ پسِ دیوارِ زنداں ہونے کی بناء پر چند سنگین مجبوریوں کے پیشِ نظر انہوں نے یہ خط اپنے چھوٹے بھائی غلام نبی کی طرف سے خود اپنے ہاتھوں لکھا۔ بیٹے کو چچا کی حیثیت سے مخاطب کیا۔ خط میں بھائی جان کا لفظ جہاں بھی آئے گا اس سے مراد مقبول بٹ شہید ہونگے۔ یہ خط بٹ صاحب نے لکھ کر اپنے بھائی کے ہاتھ جیل سے باہر بھجوایا تاکہ اگر تلاشی لیتے وقت پکڑا بھی جائے تو وہ غلام نبی کا لکھا ہوا ظاہر ہو۔ ☆۲ جاوید مقبول بٹ

آپ دل لگا کر حصول تعلیم میں مصروف رہیں گے۔ کیونکہ علم ایک ایسا خزانہ ہے جو ہر وقت انسان کے کام آتا ہے اور جس کے ضائع ہونے کا کبھی بھی خطرہ نہیں رہتا۔ بھائی جان کو امید ہے کہ وہ جس صورت حال سے دوچار ہیں اس کے باعث آپ اپنی زندگی پر کوئی برا اثر نہیں پڑنے دیں گے بلکہ ہمت اور حوصلے سے حالات کا مقابلہ کریں گے۔ چاہے انجام کچھ بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی بھی ناامید نہیں ہونا چاہئے اور اسی ذات باری سے بھلائی کی امید رکھنی چاہئے۔ یہ بات کبھی بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے اور جب تک انسان اپنے ایمان پر قائم رہتا ہے آخری فتح اسی کے نصیب ہوتی ہے۔ وہ انسان ہی کیا جو حالات کے سامنے گھٹنے ٹیک دے۔ پس ہمت اور حوصلے کو ہمیشہ اپنا شعار بنائے رکھیں اور حالات کا مقابلہ مردانہ وار کریں۔

بھائی جان کو اس بات کا دکھ ضرور ہے کہ اس عمر میں جب کہ آپ کو ان کی سرپرستی کی ضرورت تھی وہ آپ سے کافی دور پڑے ہیں اور نہ صرف یہ کہ وہ آپ کے سر پر ہاتھ رکھنے سے قاصر ہیں بلکہ وہ خود جس آزمائش سے گزر رہے ہیں وہ آپ کے لئے بھی کافی پریشانی اور فکرمندی کا باعث ہے۔ تاہم ان کو امید ہے کہ آپ ان حالات میں بھی صبر اور حوصلے سے کام لے کر زندگی کے راستے پر کامیابی کے ساتھ چل نکلنے کی اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔

بھائی جان کی طرف سے محترم چچاجان ☆[1]، چچی جان ☆[2]، بھابی راجہ، بھابی ذاکرہ ☆[3] اور دوسرے عزیزوں کو سلام کہہ دیں پپو، صوبی ☆[4]، رفیعہ، اور منی ☆[5] کے لئے بہت

☆۱ عبدالعزیز بٹ۔

☆۲ ہاجرہ بی بی۔

☆۳ چونکہ مقبول بٹ شہید نے یہ خط اپنے بھائی کی طرف سے لکھا تھا اس لئے اپنی دونوں بیویوں کے لئے "بھابی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

☆۴ چچازاد بہن، اصل نام سعیدہ ہے۔

☆۵ چچازاد بہن۔

☆۶ چچازاد بھائی، اصل نام شفیق ہے۔

بہت پیار۔ حمیدہ بہن ☆۱ اور ان کے شوہر کو بھی بھائی جان کا سلام پہنچا دیں۔ انہوں نے مزید آپ کے ماموں ماسٹر صاحب ☆۲، خالہ فاطمہ ☆۳ اور عبدالغفار ☆۴ کو بھی سلام بھیجا ہے۔ بھابی قمیدہ ☆۵ کو ان کی طرف سے سلام کہہ دیں۔ ریاض احمد ☆۶ کے بھائیوں اور بہنوں کو بھی ان کی طرف سے سلام کہہ دیں اور خط کا جواب بھائی جان کے نام سینٹرل جیل نئی دہلی کے پتے پر ارسال کریں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ آپ کو یہ خط مل گیا ہے۔ باقی میری طرف سے بھی تمام عزیزوں اور دوسرے دوستوں کو سلام کہہ دیں۔ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھیں تاکہ خیریت کی اطلاع ملتی رہے خط لکھتے وقت بھائی جان کو گھر کا حال احوال ضرور تحریر کریں اور اپنی تعلیم اور دیگر مسائل کے بارے میں ان کو مطلع کرتے رہیں۔ ابو کی طرف سے ان کے دوستوں کو بھی بہت بہت سلام پہنچا دیں۔

والسلام فقط

آپ کا انکل

غلام نبی اور ابو

محمد مقبول بٹ

☆۱ چچا زاد بہن۔

☆۲ ماسٹر محمد مقبول (ایبٹ آباد)

☆۳ فاطمہ ماسٹر جی کی اہلیہ تھیں جو وفات پا چکی ہیں۔

☆۴ ماسٹر صاحب کے بھانجے۔

☆۵ عبدالغفار میر کی اہلیہ۔

☆۶ ریاض احمد ڈار۔ مقبول بٹ شہید کا جانثار ساتھی جو ۱۶ برس کی عمر میں بٹ صاحب کے ساتھ ۱۹۷۶ء میں وادی کشمیر میں ایک حریت پسند کے روپ میں داخل ہوا۔ بٹ صاحب کے ساتھ گرفتار ہوا اور بارہ سالہ قید کاٹ کر ۱۹۸۸ء کو اپنے ایک دوسرے ساتھی حمید بٹ کے ساتھ جموں جیل سے رہائی پا کر آزاد کشمیر آگیا۔ تحریک حریت کا یہ مجاہد آجکل مظفر آباد میں رہائش پذیر ہے۔

بیگم فاروق حیدر کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نئی دہلی

۳۱ / جون ۱۹۷۹ء

ڈیئر عفت بہن

السلام علیکم:-

امید ہے کہ آپ اور فاروق بھائی خیریت سے ہوں گے۔ اللہ کے فضل و کرم سے زندگی کے ایام صبر و شکر کے ساتھ گزر رہے ہیں اور آپ کی دعاؤں و نیک تمناؤں سے مشکلیں اور کٹھنائیاں بھی سکون قلب کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچ رہی ہیں۔

برسوں پہلے آپ سے ملاقات کی یاد ابھی تک دل میں تازہ ہے۔ آپ نے جس خلوص اور محبت سے مہمان نوازی کا حق ادا کیا تھا اور فاروق بھائی نے جس پیار اور الفت سے آپ کے یہاں اپنے چند روزہ قیام کو خوشگوار بنایا تھا اس کی تصویر ابھی تک ذہن پر نقش ہے۔ چھوٹے سلطان[۱☆] کی توتلی باتیں اور عزیزی عزا اور میزو[۲☆] کی اٹکھیلیاں ابھی تک فراموش نہیں کر پایا ہوں۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں گھر والوں سے الگ ہو کر یہاں قیام کرنے پر مجبور ہوا تھا۔[۳☆] اگرچہ یہ نئی زندگی کسی بھی طور خوشگوار اور آرام دہ نہیں مگر جہاں آدمی کے اصول اور نظریے کا سوال پیدا ہوتا ہے وہاں انجام کی پرواہ کئے بغیر آزمائش کے ہر

۱☆ سلطان ڈاکٹر فاروق حیدر کا بیٹا ہے۔

۲☆ عزا اور منزا ڈاکٹر صاحب کی بیٹیاں ہیں۔

۳☆ اس خط میں بٹ صاحب نے اپنے آپ کو قیدی ظاہر نہیں کیا نہ ہی خط کے آخر میں اپنا پورا نام لکھا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خط ان دنوں لکھا گیا جبکہ بٹ صاحب کو خط لکھنے کی سہولت نہیں دی گئی تھی۔ غالب امکان ہے کہ انہوں نے یہ خط لکھ کر خفیہ طور پر پوسٹ کروایا ہوگا۔

دور سے خندہ پیشانی کے ساتھ گزرنے میں بھی ایک طرح کی راحت ملتی ہے۔ یقین کیجئے زندگی کے اس مشکل ترین دور میں بھی نہ تو اپنی ہمت و حوصلہ ہی پست ہوئے ہیں اور نہ ہی اپنے ایمان میں کوئی فرق آیا ہے۔ آپ کی دعائیں شامل حال رہیں تو اس دور سے بھی نصرت و کامرانی کے ساتھ گزر ہو جائے گا۔

آپ کی جانب سے کافی عرصے سے کوئی خیریت نامہ نہیں ملا اس لئے قدرے پریشانی ہے۔ بالا[☆1] صاحب اور حسرت صاحب[☆2] نے پچھلی عید پر یاد کیا تھا اور پشاور سے چھوٹے شوکت نے حال ہی میں ایک خط لکھا ہے۔ اسے جواب تو بھیجا ہے مگر یہ نہیں معلوم کہ اسے میرا خط ملا کہ نہیں۔[☆3] امان بھائی نے تو لندن ہی میں مستقل قیام کیا ہے۔ ایک عرصہ ہوا ان کی طرف سے بھی ایک خط آیا تھا۔ میرے واپسی خط کا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔[☆4] معلوم ہوتا ہے کہ کافی عدیم الفرصت ہیں۔

میری طرف سے تمام عزیز و اقارب اور دوست احباب کو سلام کہہ دیں۔ گوگی[☆5] گوشی[☆6] ---- اور فاروق بھائی کے دوسرے عزیزوں کو بھی میرا سلام کہہ دیں۔ چھوٹے سلطان اور عزا منیزا کو بہت بہت پیار۔ چھوٹے سلطان کے چھوٹے بھائی کو میری طرف سے پیار۔ اس کا نام یاد نہیں' خط میں ضرور تحریر کریں۔

امید ہے کہ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

آپ کا بھائی

ایم ایم بٹ[☆7]

☆1 غلام احمد بالا پنڈی میں رہتے تھے۔

☆2 سردار رشید حسرت مقبول بٹ شہید کے مخلص اور تنظیمی دوستوں میں سے تھے۔ راولا کوٹ کے رہنے والے تھے۔ وفات پاچکے ہیں۔

☆3 شوکت کو یہ خط مل گیا تھا جو کتاب ہذا میں شامل ہے۔

☆4 افسوس! امان اللہ خان کے نام بٹ صاحب کا یہ خط دستیاب نہیں ہو سکا۔

☆5 جاوید ساغر (گوگی) اے آر ساغر کے بیٹے ہیں۔ راولپنڈی میں رہتے ہیں۔

☆6 اصل نام تجمل ہے۔

☆7 محمد مقبول بٹ

اپنے چچا کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی
۱۹ / ستمبر ۱۹۷۹ء

محترم چچا جان

السلام علیکم:-
امید ہے کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔ چچی جان کی طرف سے ۲۹ جولائی کو لکھا ہوا خط پچھلے دنوں ملا۔ اس کے ساتھ ہی برادرم غلام نبی بھی ملاقات کے لئے آئے تھے۔ کچھ آپ کے خط سے اور کچھ ان کی زبانی حالات سے آگاہی پائی۔ مجھے آپ کی مشکلات اور پریشانیوں کا شدید احساس ہے۔ [۱☆] مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ اس وقت جبکہ مجھے آپکے قریب ہونا چاہئے تھا اور آپ کا ہاتھ بٹانا چاہئے تھا میں آپ سے بہت دور ہوں اور آپکے دکھ درد میں شریک ہونے سے قاصر ہوں۔ خیر گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ آزمائش کا یہ دور بھی خدا کے فضل و کرم سے جلد ہی ختم ہو جائے گا۔ خداوند تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے اور میرا ایمان ہے کہ وہ ہماری کشتی کو اس گرداب سے نکال کر ضرور منزل مراد تک پہنچا دے گا۔ آپ بس اسی ذات باری پر بھروسہ رکھیں اور اپنی دعائیں جاری رکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی پُرخلوص دعائیں ضرور مستجاب ہوں گی۔
آپ نے مکان کو فروخت کرنے کے بارے میں لکھا ہے اس بارے میں برادرم غلام نبی مختارنامہ تیار کروا رہے ہیں اور جونہی قانونی کارروائی پوری ہوگی مختارنامہ آپ کے نام پر ارسال کر دیا جائے گا۔ اس بارے میں آپ بے فکر رہیں۔ اس سلسلے میں میری

۱☆ بٹ صاحب کی غیر موجودگی میں ان کے چچا کے لئے مشکلات اور پریشانیاں بڑھ گئی تھیں۔ بٹ صاحب کو اس بات کا شدید احساس تھا۔

طرف سے مندرجہ ذیل مشورہ کو مدِ نظر رکھیں۔

(ا) مکان کو فروخت کرتے وقت معقول قیمت کا مطالبہ کریں۔ سوا لاکھ سے کم پر مکان ہرگز فروخت نہ کریں۔ [۱☆]

(۲) قیمت فروخت میں سے دس ہزار روپیہ آپ اپنے ذاتی اخراجات کے لئے رکھیں اور دو ہزار روپے لنڈی کوتل کے پیر عبداللہ شاہ کو ادا کریں۔ [۲☆]

(۳) باقی رقم ہمارے کھاتے میں بنک میں جمع کریں۔ میرے بنک اکاؤنٹ کا نمبر گھر پر موجود ہے۔

مجھے اس بات سے شدید دکھ ہو گا اگر آپ رقم تقسیم کر کے الگ الگ ڈیڑھ انچ کی مسجد بنانے لگ جائیں۔ میرا خیال ہے کہ آئندہ سال دو سال کے اندر میرے کیس کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہی مستقبل کے بارے میں سوچا جاسکے گا اگر میں رہا ہو کر آپ کے پاس آیا تو بچوں کے مستقبل کے بارے میں میں خود ہی فیصلہ کروں گا اور اگر خدا کو میری شہادت منظور رہی تو میں آپ کو اس رقم کو تمام بچوں میں تقسیم کرنے کے بارے میں ضروری مشورہ دوں گا۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ شفیق، صبیحہ اور رتعیہ کی تعلیم جاری رکھی جائے اور جاوید، شوکت اور لبنیٰ کے ساتھ ساتھ ان کا مستقبل بھی محفوظ رہے۔ اسی بات کے پیش نظر میں رقم کی بندربانٹ کو پسند نہیں کرتا۔ میرا فیصلہ ہونے تک آپ کے لئے دس ہزار روپے بطور خرچہ اخراجات کافی رہیں گے۔ آپ چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے کر بھی تھوڑے عرصے کے لئے گزارہ کر سکتے ہیں اگر راجہ اور ذاکرہ [۳☆] آپ کے ساتھ رہنا چاہیں تو بہتر ہو گا ورنہ ان کی مرضی ہے، وہ جو چاہیں کر سکتی ہیں۔ اس بارے میں میرا مشورہ آخری ہے اور اس پر ہر صورت میں عمل ہونا چاہئے۔

۱☆ مکان بٹ صاحب کی ہدایت کے مطابق ہی فروخت ہوا۔

۲☆ پیر عبداللہ شاہ کشمیری مہاجر ہیں جو آج کل لنڈی کوتل (پشاور) میں رہتے ہیں۔ بٹ صاحب نے پشاور میں قیام کے دوران کسی موقع پر ان سے دو ہزار روپے بطور قرض لئے تھے جسے وہ ادا نہ کر سکے۔ وہ اسیری کے دوران بھی اس قرض کی ادائیگی کے لئے خاصے فکرمند رہے۔

۳☆ مقبول بٹ شہید کی دونوں بیویاں۔

ایک بات اور! اگر آپ کے خیال میں اور کوئی معقول تجویز ہو تو اس سے مجھے آگاہ کریں۔ بچوں کی تعلیم کا خاص خیال رکھیں اور ان کے بارے میں مجھے تفصیل سے آگاہ کریں۔

بہن حمیدہ اور ان کے شوہر کو میرا سلام۔ شفیق، صبیحہ اور رقیعہ کے لئے بہت بہت پیار۔

میرے سبھی دوستوں تک میرا سلام پہنچا دیں۔

فقط

آپ کا بیٹا

محمد مقبول بٹ

(نوٹ) خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھیں تاکہ مجھے آپ کے حالات سے آگاہی ہوتی رہے اگر کسی قسم کی تکلیف ہو تو میرے دوستوں سے ملیں۔
(محمد مقبول بٹ)

عکس تحریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل [illegible]

۱۹ / ستمبر [illegible]

محترم چچا جان

السلام علیکم۔ امید ہے کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔ چچی جان کی طرف سے [illegible] کو لکھا ہوا خط مجھے دو روز ہوئے ملا۔ انشاء اللہ [illegible] برادرم غلام نبی بھی ملاقات کے لئے آئے تھے مجھے آپ کے خط سے اور ان کی زبانی حالات سے آگاہی پائی۔ مجھے آپ کی مشکلات اور پریشانیوں کا شدید احساس ہے۔ مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ اس وقت جبکہ [illegible] آپ کے قریب [illegible] تھا [illegible] آپ سے بہت دور ہوں۔ اور آپ کے دکھ درد میں شریک ہونے سے قاصر ہوں [illegible] کوئی بات نہیں۔ [illegible] یہ دور بھی خدا کے فضل و کرم سے جلد ہی ختم ہو جائے گا۔ خداوند تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے اور میرا ایمان ہے کہ وہ ہماری کشتی کو اس گرداب سے نکال کر ضرور منزل مراد تک پہنچا دے گا۔ آپ بس اس وقت ذرا ہمت سے کام لیں اور اپنی دعائیں جاری رکھیں مجھے یقین ہے کہ آپ کی پرخلوص دعائیں ضرور مستجاب ہوں گی۔

آپ نے مکان کو فروخت کرنے کے بارے میں لکھا ہے۔ اس بارے میں برادرم غلام نبی کا مشورہ مناسب اور درست ہے [illegible] کا رواج [illegible] آپ کے نام [illegible] کر دیا جائے گا۔ اس بارے میں آپ [illegible] اس سلسلے میں میری طرف سے مندرجہ ذیل مشورہ کو ملحوظ رکھیں۔

۱۔ مکان کو فروخت کرتے وقت معقول قیمت کا مطالبہ کریں۔ [illegible] مکان ہرگز فروخت نہ کریں۔

۲۔ قیمت فروخت میں سے [illegible] روپے اپنی ذاتی ضروریات کیلئے رکھیں اور [illegible] سے پیر عبداللہ شاہ کو ادا کریں۔

۳۔ باقی رقم ہمارے [illegible] میں جمع کریں۔ میرے [illegible] موجود ہے [illegible] اس بات سے شدید دکھ ہوگا اگر آپ رقم تقسیم کر کے [illegible]

हवाई पत्र
Aerogramme
ABDUL AZIZ BUTT
House No. 2508-K
Clock Tower, PESHAWAR CITY
PAKISTAN
پاکستان
Mohd. Maqbool Bhat.
Ward No. 18, Central Jail
Tihar New Delhi INDIA

اپنے چچا عبدالعزیز کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی

۱۷/ جنوری ۱۹۸۰ء

محترم چچا جان

السلام علیکم:-

امید ہے کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔ آپ کا ۶/ دسمبر کا لکھا ہوا خط ملا' پڑھ کر حالات سے آگاہی پائی۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ اور دیگر اہل خانہ خیریت سے ہیں۔ آپ کی صحت اور سلامتی کے لیے ہر وقت دعاگو ہوں۔ آپ کی دعاؤں کے سہارے میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور ایام اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ میرے حق میں اپنی دعائیں جاری رکھیے۔ مجھے پوری امید ہے کہ آپ کی دعاؤں سے ہماری ساری مشکلیں حل ہو جائیں گی۔

آپ نے خط میں کلیم ☆۱ کے بارے میں لکھا ہے۔ اس بارے میں آپ اپنی کوشش جاری رکھیے۔ مجھے امید ہے کہ آپ ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ بہر حال اگر اس میں کوئی خاص مشکل در پیش ہو تو دوسری صورت میں بھی کام ہو سکتا ہے۔ اس بارے میں آپ مجھے جلد سے جلد خط کے ذریعے آگاہ کریں۔ برادرم ماسٹر محمد مقبول سے بھی اس سلسلے میں مشورہ کریں اور ان کو میری طرف سے کہہ دیں کہ وہ اس معاملے میں دلچسپی لیں۔ اگر آپ ان کو میرے خط دکھائیں گے تو وہ ضرور میری ہدایت کے مطابق آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ میری طرف سے واضح مشورے کے ہوتے ہوئے وہ اپنی طرف سے کوئی دوسری بات کیسے کر سکتے ہیں۔ میں پہلے ہی اپنے کئی خطوں میں آپ کو

☆۱ Claim

لکھ چکا ہوں کہ مکان کی رقم تقسیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب تک میرے معاملے کا کوئی آخری فیصلہ نہیں ہوتا اس وقت تک میرے پہلے سے دیئے ہوئے مشورے پر عمل ہونا چاہیے۔

کشمیر سے برادرم غلام نبی ابھی تک ملاقات کیلئے نہیں آئے اس لئے مختار نامہ ارسال کرنے میں دیر ہوئی۔ آج کل وہاں کافی برفباری ہو رہی ہے[☆1] اور موسم سفر کے لئے موزوں نہیں۔ بہر حال میں نے ان کو خط کے ذریعے آگاہ کر دیا ہے کہ وہ ایک تو میری ملاقات کے لیے جلد سے جلد آجائیں اور دوسرا یہ کہ آپ کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ جلد ہی ملاقات کے لیے آئیں گے اور مختار نامہ بھی تیار کر کے لائیں گے تاکہ وہ آپ کو ارسال کیا جاسکے۔ اس بارے میں کسی پریشانی کی ضرورت نہیں۔ اب میں اس خط میں بچوں کے لئے دو دو حرف لکھتا ہوں۔

"پیارے شوکت اور شفیق[☆2] کہو تمہارا کیا حال ہے؟ پڑھائی کا سلسلہ کیسا چل رہا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا میٹرک کا امتحان پڑھائی میں کتنا اہم ہوتا ہے۔ اس کی مثال عمارت کی بنیاد کی طرح ہے اگر بنیاد کمزور رہ جائے تو ساری عمارت کمزور پڑ جاتی ہے۔ اس لیے مجھے امید ہے کہ تم دونوں دل لگا کر محنت کرو گے۔ اور دسویں کے امتحان میں اچھے نمبر لے کر پاس ہو جاؤ گے۔ ایک بات اور بھی یاد رکھو جب تک میٹرک میں اچھا ڈویژن نہ ملے کالج میں اچھے Subjects کے ساتھ داخلہ بھی نہیں ملتا۔ اس لئے بھی ضروری ہے کہ تم ابھی سے اچھی طرح محنت کرو تاکہ فرسٹ ڈویژن حاصل کر سکو۔ اگر آپ ہمت سے کام لیں اور دل لگا کر محنت کریں تو کوئی مشکل نہیں۔ خط کے ذریعے مجھے اپنی خیریت کی اطلاع ضرور دینا۔

سعیدہ اور رفیعہ بیٹی۔[☆3] آپ کا کیا حال ہے؟ آپ کی پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟

☆1 وادی کشمیر میں اس موسم میں خوب برفباری ہوتی ہے۔

☆2 بٹ صاحب اپنے بیٹے شوکت اور چچازاد بھائی شفیق سے مخاطب ہیں۔

☆3 بٹ صاحب اپنی چچازاد بہنوں سعیدہ اور رفیعہ سے مخاطب ہیں چونکہ یہ دونوں عمر میں بٹ صاحب سے بہت چھوٹی ہیں اس لئے "بیٹی" کہہ کر مخاطب کیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ بھی بڑی محنت اور جانفشانی سے تعلیم حاصل کریں گی۔ مجھے آپ دونوں کی بہت یاد آتی ہے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کے لئے میری طرف سے بہت بہت پیار۔ میری نصیحت یہی ہے کہ اچھے آداب سیکھو اور تعلیم کی طرف پوری دلچسپی لو۔ بہن حمیدہ ☆۱ اور چاچی جان ☆۲ کو بہت سلام۔ تمام بچوں کے لئے پیار۔ میرے سبھی دوستوں تک میرا سلام پہنچا دیں۔

آپ کا بیٹا

محمد مقبول بٹ

(نوٹ) اپنے اگلے خط میں جاوید کے امتحانات کے بارے میں لکھیں کہ ہوا یا نہیں۔ جاوید کو میری طرف سے کہہ دیں کہ وہ مجھے براہ راست خط لکھے تاکہ میں اس کی خیریت دریافت کر سکوں۔

نوٹ۔ چچا جان اگر کوئی تکلیف ہو تو ڈاکٹر صاحب ☆۳ کے پاس جائیں تاکہ آپ کی تکلیف کا علاج ہو سکے۔

محمد مقبول بٹ

☆۱ سب سے بڑی چچازاد بہن۔

☆۲ چچا عبدالعزیز بٹ کی اہلیہ۔

☆۳ ڈاکٹر فاروق حیدر۔

ملک محمد اصغر کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی

۶ مارچ ۱۹۸۰ء

برادرم ملک محمد اصغر صاحب

السلام علیکم:-

آپ کا پہلا خط جو غالباً آپ نے اوائل فروری میں تحریر کیا تھا مل گیا- یاد آوری کے لئے بہت بہت شکریہ-

تنہائی کے اس عالم میں آپ جیسے دوستوں کی جانب سے یاد آوری کے یہ تحفے[☆۱] کس قدر باعث مسرت ثابت ہوتے ہیں اس کا اندازہ کچھ میں ہی کرسکتا ہوں- اس سے قبل جب بھائی صاحب[☆۲] ملاقات کے لئے آئے تھے تب بھی آپ سے وابستہ یادوں کی ایک بہار تازہ ہوگئی تھی- آپ کی اور دیگر احباب کی خیریت کی اطلاع پاکر دل کو سکون میسر آیا تھا اور اب آپ کے نامہ گرامی سے ان----[☆۳] جو بجا طور پر ہماری بیش قیمت میراث کہلائی جاسکتی ہیں-

آپ نے جس کرب و اضطراب کا اظہار کیا ہے وہ آپ کے خلوص و محبت اور ایثار و وفا کے عمیق جذبات کی آئینہ داری کرتا ہے- آپ نے نہ معلوم خود کو کیوں "مجرم" گردانا ہے اور وہ بھی ایسی صورت میں جبکہ کوئی مدعی ہی نہیں-[☆۴] یہ بات دوسری ہے

☆۱ "تحفے" بمراد دوستوں کے فرستادہ مکتوب-

☆۲ غلام نبی بٹ

☆۳ خط کی بوسیدگی کے باعث یہ چند لفظ پڑھے نہ جاسکے-

☆۴ ملک اصغر صاحب نے اپنے تئیں شرمندگی اور ندامت کا اظہار کیا تھا کہ ہم آپ کی رہائی کے لئے کچھ نہیں کرسکے-

کہ کچھ "جرم" ایسے ہیں جن کا ارتکاب اہل عزم و ایمان کے لئے باعثِ صد افتخار ہوتا ہے۔ ان میں یقیناً "جرم ضعیفی" شامل نہیں جس کی سزا مرگِ مفاجات ہوتی ہے۔ البتہ بغاوت کا وہ "جرم" ضرور شامل ہے جو غلاموں میں سوز و یقین پیدا کرتا ہے اور "کنجشکِ فرومایہ" کو شاہین سے پنجہ آزمائی پر آمادہ کرتا ہے۔ اس جرم کے ارتکاب پر اظہارِ ندامت نہیں اظہارِ مسرت کیا جانا چاہئے۔ وہ شعر جو آپ نے تحریر کیا ہے مجھے اپنی صورتِ حال پر موزوں دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے کہ یہاں شکوے کی گنجائش ہی کہاں۔ کامیابیوں پر ستائش و تعریف کی طلب اور ناکامیوں پر حالات کی نامساعدگی کا شکوہ کرکے ہمدردی کے حصول کو زندگی کی اعلیٰ و ارفع اقدار شمار نہیں کیا جاسکتا البتہ اگر چھوٹا منہ اور بڑی بات کا جرم معاف ہو تو بصد انکسار یہ ضرور کہوں گا کہ

ہمیں خبر ہے کہ ہم ہیں چراغِ آخرِ شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہے

یہ کچھ مجھ پر ہی نہیں ہم سبھی پر صادق ہے۔ پس ندامت و ملال کی چنداں ضرورت نہیں۔ [1]☆ مجھے یقین ہے کہ خلوص و محبت اور عزم و ایمان کی جس دولت کے ہم امین ہیں وہ سچائی کے راستے پر گامزن رہنے کی ہماری مساعی کو ضرور سرخروئی سے ہمکنار کرے گی۔ اس موضوع پر کسی لمبے چوڑے لیکچر کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک ایسی ابدی حقیقت ہے جو انسانی تاریخ میں اپنی تمام تر جلوہ تابانیوں کے ساتھ ہمیشہ موجود رہی ہے اور رہے گی۔

تاریخِ انسانی کے اس سدا بہار گلشن میں کوئی کمی نہیں۔ شرط یہ ہے کہ ہم خود ہی نادانی میں چند کلیوں پر قناعت نہ کر بیٹھیں۔

1☆ ملک اصغر صاحب نے مصطفیٰ زیدی کا یہ شعر لکھا تھا۔

کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پر گزر گئی
دنیا تو لطف لے گی مرے واقعات میں

اس شعر میں ناامیدی اور مایوسی کا احساس پایا جاتا تھا اس لئے بٹ صاحب نے امید اور حوصلے سے زندہ رہنے کی بات کی۔

یہ بات باعث خوشی ہے کہ آپ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ میرے تئیں اپنی پرخلوص دعائیں جاری رکھیں گے۔ آپ نے جن عید کارڈوں کا ذکر کیا ہے وہ تو مجھے نہیں ملے تاہم خوشی کے ان موقعوں پر یاد کرنے کے لئے ایک مرتبہ پھر آپ کا شکریہ۔ عزیزم جاوید اور شوکت کے بارے میں آپ کی طرف سے خیریت کی اطلاع پر بھی شکریہ۔

میری طرف سے تمام دوست احباب کو خلوص و محبت سے بھرپور سلام کہیے گا۔ امید ہے کہ آپ نامہ و پیام کا یہ سلسلہ جاری رکھیں گے۔

والسلام۔ فقط

آپ کا بھائی

محمد مقبول بٹ

(نوٹ) برادرم اعجاز ملک کی صورت حال کے بارے میں ضرور مطلع کریں وہ جس عالم میں ہیں اس پر مجھے بہت صدمہ ہے۔ ان تک میرا خصوصی سلام پہنچا دیجئے۔ میری طرف سے ان کے عزیزوں کو ہمدردی کا پیغام پہنچا دیں۔

اکرام اللہ جسوال کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی
۲/ مئی ۱۹۸۰

محترم جسوال صاحب

السلام علیکم:-

فرقت کے اس طویل دور میں کچھ عرصہ قبل آپ کا محبت نامہ مل گیا۔ یاد آوری کے لئے شکریہ۔ خط کا جواب لکھنے میں بوجوہ دیر ہوگئی،اس لئے آپ کی Inconvenience ☆۱ کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس وضاحت کو "عذرِ گناہ" سے تعبیر نہیں کریں گے۔ دوستوں میں باہمی نامہ و پیام کی اہمیت سے انکار غلط ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں برسوں سے اس سلسلے کو قائم نہ رکھ سکا اس لئے نہیں کہ آپ کی یاد ذہن سے محو ہوگئی تھی مگر حالات کے اس جبر کا کیا علاج کیا جائے جو چاہت کے باوجود خواہشات کا خون کرتے ہیں۔ زنداں کی زندگی کے اس پہلو کے بیان کے لئے ایک کتاب چاہئے مگر میں یہاں اسی پر اکتفا کروں گا کہ اسیری اور وہ بھی ہم جیسے لوگوں کی اسیری کے لئے یہ مقولہ کہ "Prisoners are not supposed to be choosers." ایک قدر مقتدر (Governing Value) کی حیثیت رکھتا ہے۔آپ کو شاید یہ جان کر حیرت ہوگی کہ میں برسوں بعد اس قابل ہوسکا ہوں کہ رائٹنگ میٹریل (Writing Material) کا استعمال کرسکوں اور اس "حق" کو حاصل کرنے کے لئے ہائیکورٹ کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا۔ بقول آپ کے میں یقیناً اپنے حالات لکھنے سے قاصر ہوں۔ اس لئے نہیں کہ لکھ نہیں سکتا بلکہ اس لئے کہ حالات کا رونا ضبط تحریر میں لانا نہ تو کبھی اپنا شعار رہا ہے اور نہ ہی شیوہ

☆۱ تکلیف، زحمت۔

پس اس خط کو آپ اپنے خیریت نامے کی وصولی کی رسید سمجھ لیجئے جس کی آپ نے فرمائش کی ہے اور جس کا مجھے یقین ہے کہ آپ بڑی بے تابی سے انتظار کرتے رہے ہیں۔

اگر آپ اسے شاعرانہ بات قرار نہ دیں تو میں یہ لکھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کا محبت نامہ کنجِ قفس میں بادِ صبا کے کسی خوشگوار جھونکے کی طرح مسرتوں کا ایک پیغام لایا ہے۔ خوشگوار یادوں کی ایک بارات ذہن کے پردے پر محوِ رقص ہو اٹھی اور اس کے ساتھ ہی خلوص و محبت کے اس لازوال رشتے کی تازگی دوچند ہو گئی جسے ہم بجا طور پر زندگی کی مشترک اور گراں بہا میراث قرار دے سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ "قانونی" وجوہ کے باوجود جن کا آپ نے قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے نامہ و پیام کے اس سلسلے کو کم از کم میری خاطر جاری رکھیں گے۔ میرے لئے یہ محبت نامے کسی گراں قدر اثاثے سے کم نہیں۔ آپ جیسے وفا شعار دوستوں کے لئے اس ضمن میں "خدائی فوجداروں" کی کتربیونت اور اس نوع کی دیگر کارروائیوں کا خدشہ پرکاہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔☆1

آپ کا خط ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی بار پڑھا صرف اس لئے نہیں کہ یہ آپ کا خط تھا بلکہ اس لئے بھی کہ شاید اس طرح اس تصویر کو اچھی طرح دیکھ سکوں جو اس کے بین السطور پوشیدہ ہے۔ درد اور احساس کی شدت میں آپ بہت کچھ کہہ گئے ہیں اور اس سے اتفاق شاید عقل و خرد کے تقاضوں کو پورا کرے مگر عشق و جنون کی راہ پر چل پڑنے والوں کے لئے حالات و واقعات کو پرکھنے کے معیار ہی الگ واقع ہوئے ہیں۔ تمناؤں کی بے تابی اپنی جگہ سہی مگر اسے زندگی کا محور قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اہلِ عشق جانتے ہیں کہ عشق فی نفسہٖ صبر طلب واقع ہوا ہے۔ عام معمولاتِ زندگی کے بارے میں کسی انگریز مصنف کا مقولہ ہے۔ "Nothing succeeds like a success, but it is equally true that nothing fails like a failure." وقت کے تقاضوں اور فوری مصلحتوں کو زندگی کا محور بنا کر قیادتِ انسانی کے منصبوں پر قبضہ جمانے کے خواب دیکھنے والے مدعیوں

☆1 پاکستان اور ہندوستان کے حکومتی اہلکار سنسرشپ کے بہانے عقیل بٹ شہید کو لکھے گئے یا ان کی طرف سے لکھے گئے خطوط کو روک لیتے۔ کئی کئی ماہ کی تاخیر ہو جاتی۔ اس نوع کی کارروائیوں کے سبب کئی قیمتی خطوط ضائع ہو گئے اور متعلقین تک نہ پہنچ سکے۔

کے لئے یہ مقولہ میکاولی کے کسی نسخے سے کم نہیں۔ مگر انہیں وہ درجہ یقیناً حاصل نہیں ہوسکتا جو صرف ان لوگوں کا مقدر ہے جن کو تاریخِ انسانی کی ترتیب و تزئین کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ انسانی تاریخ کی ترتیب و تزئین کی زمام ہمیشہ اہلِ عشق کے اس قبیلے کے ہاتھوں میں رہی ہے جنھوں نے وقت کی مقتدر روایات اور شخصیات کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا اور سوچ و عمل کو نئی سمت عطا کی۔ کامیابی اور ناکامی کا متذکرہ بالا معیار ان کے لئے کبھی بھی قابلِ رعایت (Worth Considration) نہیں رہا ہے۔

سوچئے تو ارسطو کو زہر کا پیالہ کیوں پینا پڑا۔ آتشِ نمرود میں وقت کے پیغامبر نے کیوں چھلانگ لگائی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے وقت کے حاکموں کی صلیب کو کیوں چوما۔ طائف کے بازار میں لہولہان ہونے کے باوجود حضور ﷺ کے چہرے پر ملال کیوں نہیں آیا۔ گوتم بدھ نے برہمنی استحصال (Exploitation) کے ساتھ مصالحت کیوں نہیں کی۔ مارٹن لوتھر کی تحریک (Renaisance) مارکس اور اینجلز کے نظریات اور نو آبادیاتی عروج میں قومی آزادی کی تحریکوں کا پھیلاؤ اپنے اپنے وقت کی کونسی مقتدر روایات اور شخصیات کے ساتھ مصالحت کی علمبردار رہی ہیں؟ انسانوں کی تاریخ میں بسااوقات ایسا ہوا ہے کہ وہ لوگ جو قوموں کی زندگی کا رخ متعین کرنے کی تحریکوں کی بنیاد ڈالتے رہے وہ اپنی طبعی عمر میں تصورات کی Maturity ☆۱ کی حد سے آگے نہ جاسکے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان تصورات کی بنیاد پر تشکیل پانے والی عمارت کی تعمیر میں ان کا رول کسی کم اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اپنے تاریخی کردار کے باعث وہ ہمیشہ السابقون الاولون میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یہ موضوع اس قدر طویل ہے کہ اس خط کی تنگ دامنی اس کی وضاحت کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ مختصراً یہی کہتا ہوں کہ اہلِ عشق ترکِ تشخص کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ ترکِ تشخص اہلِ عشق و ایمان کی ہی نہیں بلکہ انسانی زندگی کے ارتقاء کی بھی موت ہے۔ ہمیں اس وقت سے گھبرانا چاہئے جب انسان تصورات کے لئے ایثار اور قربانی کا راستہ چھوڑ کر مصلحتوں کا غلام بن جائے۔ کیونکہ اس وصف کی عدم موجودگی میں یہ دنیا چلتے پھرتے انسانوں کا ایک وسیع قبرستان بن کر رہ جائے گا۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو

☆۱ پختگی

آپ کی تجویز نرم سے نرم الفاظ میں ------- ☆۱ ہی قرار دی جاسکتی ہے۔ پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ کسی بھی قومی تشخص کی تشکیل میں بیشمار تاریخی عوامل کا ہاتھ ہوتا ہے یہ نہ تو کسی کے دعوے سے وجود میں آتا ہے اور نہ ہی کسی کے ترک کرنے سے مٹ جاتا ہے۔ قومی تشخص قدرت کی دین ہوتا ہے۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی۔ اس لئے ترک تشخص کے ساتھ وابستہ تقسیم وطن کا تصور بھی ہمارے لئے ایک گناہ عظیم سے کم نہیں۔ ☆۲ تاریخی حقائق اپنے بل پر قائم رہتے ہیں۔ انسانوں کی بے بضاعتیاں (Frailities) ان پر اثرانداز نہیں ہوتیں۔ یہ دوسری بات ہے اپنی Frailities کے باعث کوئی انسان یا انسانوں کی جماعت تاریخ کے اس دھارے کا ساتھ نہ دے پائے اور کسی بے وزن شے کی طرح لہروں کے اوپر تیرتی ہوئی ساحل کی وقتی راحتوں سے ہمکنار ہونے میں ہی اپنی عافیت سمجھ لے۔ لیکن آپ سے بڑھ کر اور کون جانتا ہے کہ ہم اس قبیل میں شامل نہیں ہوسکتے۔ دنیا میں کون سکون و اطمینان کا خواہشمند نہیں لیکن قبرستان کے سکون اور رواں دواں زندگی کے سکون میں امتیاز نہ کرنا نادانی کی علامت ہے۔ وہ امن و امان جس کے پیچھے خوف و دہشت کے سائے لرزاں ہوں اور جس کے لئے ارمانوں کا خون کرکے ذہنی پراگندگی کی کیفیت حاصل کرنی پڑی فی الواقعہ موت کا پیغام ہوتا ہے۔ یہ خط خاصا طویل ہوگیا اس لئے اس موضوع کو یہیں ختم کرتا ہوں۔

میرے بارے میں پریشانی کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کو میرے بارے میں منظور ہوگا وہ بہرطور ہم سب کے لئے بہتر ہی ہوگا آپ بس میرے لئے اپنی دعائیں جاری رکھئے۔ آپ کی ذاتی پریشانیوں سے دکھ ہوا اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات آسان فرمائے۔ اتنی دور آپ کے لئے سوائے دعا کے اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔ محترم ساتھی مرحوم محمد زمان خان عباسی ☆۳ کی وفات کی خبر سے دل کو بڑا صدمہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم

☆۱ یہ لفظ مبہم ہونے کے باعث پڑھا نہ جاسکا۔

☆۲ واضح تشخص اور الگ پہچان قوموں کی بقا کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ قوم کی تقسیم اسی وقت عمل میں آتی ہے جب قوم کا تشخص ختم ہوجائے اس لئے مقبول بٹ شہید نے قومی تشخص قائم رکھنے پر زور دیا ہے۔

☆۳ محمد زمان عباسی گڑھی دوپٹہ والے۔

کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ میری جانب سے مرحوم کے پسماندگان سے ضرور اظہار تعزیت کیجئے گا۔

محترم میر ہدایت اللہ صاحب کے دورہ دل کے بارے میں جان کر تشویش ہوئی بہرحال یہ اچھا ہے کہ آج کل وہ کم کھاتے ہیں پر غم نہیں کھاتے۔ میری طرف سے محترم انصاری صاحب' بشیر تبسم صاحب' صوفی محمد زمان صاحب' محترم جی ایم میر صاحب' محمد صدیق بابا صاحب' ڈاکٹر صاحب اور دیگر تمام دوست احباب تک خلوص و محبت سے بھرپور سلام پہنچا دیجئے گا۔ ڈاکٹر صاحب ☆[1] کی جانب سے فروری میں ایک خط ملا تھا جس کا جواب دے چکا ہوں مگر میرے جوابی خط کی جو ان کے کلینک کے پتے پر ارسال کیا تھا وصولیابی کی تاہنوز اطلاع نہیں ملی۔ نسیم لون صاحب اور محترم نازکی صاحب کو بھی میرا سلام کہئے گا۔ نسیم صاحب کے احساس کی شدت کا مجھے نہ صرف علم ہے بلکہ اس کا تجربہ بھی ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ "کونج بچھڑ گئی ڈاروں لبھدی بجاں نوں" اپنی جگہ ان کے احساس درد کی غمازی کرتا ہے۔ یہ بجائے خود ایک دردناک صورت حال ہے۔ مگر انہیں میری طرف سے بتائیے کہ اصل المیہ (Tragedy) اس وقت شروع ہوتا ہے جب "ڈار بچھڑ جائے راہ توں لبھدی منزل نوں" دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کی صورت حال سے محفوظ و مامون رکھے۔ ☆[2] ہاشم اور اشرف تک میرا سلام ضرور پہنچا دیجئے گا۔ ہاشم کی اپیل کی طوالت فکرمندی کا باعث ہے۔ اس کے بارے میں قدرے تفصیل سے لکھیں۔ نسیم لون کی معرفت محترم ڈاکٹر باسط ☆[3] تک میرا سلام ضرور پہنچا دیجئے گا۔

ایک آخری بات! یہ نہ سوچئے کہ ہمارا کوئی بجن نہیں ہے۔ جو لوگ اہل ایمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے لئے یہ ساری کائنات اور اس کا خالق ان کی دستگیری کے لئے منتظر رہتے ہیں۔ یہ محض فلسفیانہ بات نہیں بلکہ اپنے شعور و تجربے کا نچوڑ ہے۔ اس

☆۱ ڈاکٹر فاروق حیدر۔

☆۲ اگرچہ یہ بھی ایک المیہ ہے کہ فرد اپنی جماعت سے بچھڑ جائے لیکن مقبول بٹ شہید نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اصل المیہ فرد کا بچھڑنا نہیں بلکہ پوری جماعت یا قوم کا راہ منزل سے بھٹک جانا ہے۔ خدا کشمیری قوم کو اس المیے سے محفوظ رکھے۔

☆۳ ڈاکٹر عبدالباسط پاکستان کے نامور قانون دان ہیں۔ کشمیری النسل ہیں اور آج کل لاہور میں رہائش پذیر ہیں۔

موضوع پر یہاں کچھ زیادہ بیان کرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ کاغذ کے ساتھ سیاہی بھی ختم ہو رہی ہے اور خط کا وزن پڑھنے پر خدائی فوجدار اسے بے رنگ قرار دے کر آپ کی جیب پر بھی حلہ بول دیں گے جبکہ میں ایسا نہیں چاہتا۔

اس خط کے ساتھ محترم اسلام آبادی کے نام ایک پرچہ ارسال کر رہا ہوں امید ہے کہ آپ یہ ان تک پہنچا دیں گے یہ دراصل ان کے ایک دیرینہ خط کا جواب ہے جو میں تاہنوز تحریر نہ کرسکا۔☆۱

ہاں میرے سر کے بال سفید ضرور ہوتے جارہے ہیں مگر اس کا کیا کروں کہ دل ابھی تک جواں ہے اور اس میں مکیں ارماں زندہ و تابندہ۔ رہا درویشانہ انداز تو یہ بس آپ کا الہام ہی ہے۔ یہاں ان اوصاف کا دعویٰ ہی نہیں حصول تو بہت دور کی چیز ہے۔ بزرگی اور درویشی تو صرف آپ کے لئے وقف ہے۔ البتہ ہم بھی اپنے وقت پر بوڑھے ضرور ہوجائیں گے۔ آپ بس دعا کیجئے کہ جسموں کے بڑھاپے کے ساتھ ہمارے ارمان بوڑھے نہ ہونے پائیں۔☆۲

مقامی دوست احباب کے علاوہ آپ کے اہلِ خانہ کے لئے میرا اسلام اور بچوں کے لئے ڈھیر سارے پیار۔

فقط

آپ کی دعاؤں کا متمنی

آپ کا بھائی

محمد مقبول بٹ

☆۱ نہ معلوم یہ اسلام آبادی صاحب کون تھے؟ اور بٹ صاحب نے ان تک کونسا پرچہ پہنچایا۔

☆۲ مومن کا ایمان کبھی سرد نہیں پڑتا۔ اسی لئے مومن دوسروں کے لئے تحریک و عمل کا باعث بنتا ہے۔

محمد عارف کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی
۸ / اکتوبر ۱۹۸۰ء

عزیزم محمد عارف صاحب

السلام علیکم۔

آپ کا تعزیت نامہ ملا۔ اہلیہ مرحومہ کی وفات پر آپ نے خلوص و محبت سے بھرپور جن جذبات کا اظہار کیا ہے وہ میرے لئے مشکل کی اس گھڑی میں بہت بڑے حوصلے کا باعث بنے ہیں اور اس کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں۔

یہ امر ائل ہے کہ موت سے کسی بھی ذی روح کو مفر نہیں۔ پس اس باب میں اہلِ ایمان کے لئے غم و ملال کی کوئی گنجائش نہیں۔ تاہم ذاتی طور پر مجھے اس بات کا دکھ ضرور ہے کہ سفرِ زندگی کے آخری مراحل میں ان حقوق و فرائض کی انجام دہی سے قاصر رہا جن کا زوجین سے تقاضا کیا جاسکتا ہے۔ حالات کے جبر کے سامنے بے بسی کا احساس ایسی صورت حال میں دوچند ہو جاتا ہے۔ اگر اس احساس کو صدمے کا نام دیا جاسکتا ہے تو میں یقیناً ایک بڑے صدمے سے دوچار ہوا ہوں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ اور دیگر کئی دوستوں کی جانب سے اس موقع پر اظہار محبت و ہمدردی کے باعث اس ویرانہ زنداں میں میرا حوصلہ قائم رہا ہے۔ پس میں اس سلسلے میں آپ کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آپ کے اس خیال سے انکار ممکن نہیں کہ بامقصد زندگی گزارنے والوں کے لئے امتحان و آزمائش کے دور سے گزرنا لازمی ہوتا ہے۔ یہ مقاصد جس قدر اعلیٰ و ارفع ہوتے ہیں اسی تناسب سے امتحان و آزمائش کی شدت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں دارورسن کے مرحلوں سے گزرنے کے باوجود اہل عزم و ایمان کے ماتھے شکن آلود نہیں ہوتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حق و باطل کی کشمکش میں آخرکار "ولا تھنوا ولا تحزنوا

وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ☆۱" کی بشارت ایزدی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ پوری ہوا کرتی ہے۔ یہ لوگ اپنی بے سروسامانی اور ظاہری بے بضاعتی کے باوجود اعدائے حق کے وسائل کی فراوانی سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔ اس لئے نہیں کہ شوقِ سفر میں یہ لوگ ہوش و خرد سے عاری ہو جاتے ہیں بلکہ اس لئے کہ جس جہد و جستجو میں وہ مصروف ہوتے ہیں اس کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ اکثر اس میں کم من فیءۃ قلیلۃ غلبت علی کثیرۃ ☆۲" کا اعجاز اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوا کرتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے۔ پس دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صبر و ثابت قدمی کی نعمت سے نوازے تاکہ آزمائش کے جس دور کا ہمیں سامنا ہے اس میں ہمارے قدم ڈگمگانے نہ پائیں اور ہمارا عزم و استقلال قائم رہے۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ عزیزم جاوید کے دوستوں میں شامل ہیں۔ میری غیر موجودگی میں اپنی والدہ کے انتقال پر اسے جو دکھ اور صدمہ پہنچا ہوگا اس کی شدت کا مجھے بخوبی احساس ہے تاہم مجھے یقین ہے کہ آپ جیسے دوستوں کی رفاقت اور دلجوئی اسے یہ صدمہ برداشت کرنے میں ممد ثابت ہوگی۔ امید کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں آپ کی جانب سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوگی۔

آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ میرے عزیز اور ساتھی جناب امان اللہ خان صاحب سے اچھی طرح متعارف ہیں۔ یہ میرے لئے کسی بڑی خوشخبری سے کم نہیں۔ امید کرتا ہوں کہ آپ ان تک میرا پرخلوص سلام پہنچادیں گے۔ برسوں پہلے ان کی جانب سے ایک نوازش نامہ موصول ہوا تھا پھر وہ نامہ و پیام کے سلسلے کو قابلِ فہم وجوہ کے باعث جاری نہ رکھ سکے۔ ان سے وابستہ یادیں میرے دل و دماغ میں اب بھی تازہ ہیں اور حالات کی گرد ان کی دمک کو ماند نہیں کرسکی۔ مجھے خوشی ہوگی اگر آپ خط کے ذریعے

☆۱ اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو، تمہی سربلند رہوگے اگر تم سچے مومن ہو۔ (آل عمران ۱۳۹)

☆۲ "بارہا چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔" (القرآن)

میرپور میں میرے دوست احباب تک میری خیریت کی اطلاع کے ساتھ ساتھ ان تک میرا سلام بھی پہنچا دیں۔

بفضل ایزدی میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی فکر یا پریشانی کی ضرورت نہیں۔ امید ہے کہ آپ آئندہ بھی خط کے ذریعے یاد کرتے رہیں گے۔

والسلام
آپ کی دعاؤں کا طالب
محمد مقبول بٹ

اپنے بیٹے جاوید مقبول کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی
۹/ اکتوبر ۱۹۸۰ء

برخوردارم جاوید مقبول بٹ

السلام علیکم:-

چند روز پیشتر دل کو پاش پاش کرنے والی یہ خبر ملی کہ آپ کی والدہ ماجدہ اور میری اہلیہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔ ☆۱ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس موقعہ پر آپ کو جو دکھ اور صدمہ پہنچا ہوگا اور بالخصوص میری غیر موجودگی میں آپ کے احساس درد نے جو شدت اختیار کی ہوگی اس کا اندازہ لگانا میرے لئے مشکل نہیں۔ مگر آزمائش کے جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس میں سوائے صبرو شکر کے اور کوئی چارہ نہیں۔ پس یہ میرا فرض ہے کہ آپ کو صبر کی تلقین کروں۔ امید ہے کہ آپ اس المناک صورتِ حال میں صبرو ثابت قدمی کے ساتھ خود کو قابو میں رکھیں گے اور پیش آمدہ صعوبتوں اور مشکلات کو مردانہ وار برداشت کرتے ہوئے اپنی زندگی میں منفی اثرات کو داخل نہیں ہونے دیں گے۔ یہ بات کبھی فراموش نہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کو امتحان و آزمائش سے دو چار کرتا ہے جن میں ان سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ مگر اس صلاحیت کو بروئے کار لانا انسانوں کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ بھی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے حالات کی ناساعدگی کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرتے

☆۱ مقبول بٹ شہید کی اہلیہ راجہ بیگم انتہائی صابر اور شاکر خاتون تھیں خاوند کی تحریکی سرگرمیوں اور قید و بند کی زندگی نے انہیں قدم قدم پر مشکلات اور صدمات سے دوچار کیا لیکن راجہ بیگم نے یہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ وہ ماسٹر مقبول (ایبٹ آباد) کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اس عظیم خاتون نے ۲۱ ستمبر ۱۹۸۰ء کو ایبٹ آباد میں وفات پائی اور وہیں پیوند خاک ہوئیں۔

ہوئے زندگی کے اس مثبت راستے پر اپنا سفر جاری رکھیں گے جس کا آپ نے انتخاب کیا ہے۔[1] ان للّٰہ مع الصابرین[2] کی بشارت خداوندی آپ کے عزائم کو جواں اور حوصلوں کو بلند رکھنے کی کافی ضمانت ہے۔ اس پر کامل یقین رکھئے۔

آپ کی والدہ کے انتقال کی خبر کئی روز پیشتر ملی تھی مگر اس سلسلے میں مجھے آپ کی جانب سے تفصیلات کا انتظار تھا۔ پر گزشتہ روز لندن سے ایک دوست کے تعزیتی خط سے معلوم ہوا کہ یہ حادثہ جانکاہ اس وقت پیش آیا جب آپ بسلسلہ تعلیم فیصل آباد میں تھے۔ اس سے دل کو دھکا لگا کہ دمِ مرگ نہ صرف میں بلکہ آپ بھی مرحومہ کی قربت سے محروم رہے ہیں۔ تاہم مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ بذریعہ خط مجھے اس سلسلے میں پوری معلومات سے باخبر کریں گے۔ اور خاص طور پر مرحومہ کی آخری خواہشات (اگر آپ کو معلوم ہوں) سے مجھے ضرور مطلع کریں۔

مجھے یہاں اس بات کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ مرحومہ کی وفات کے بعد اس مختصر سے گھرانے کو سنبھالے رکھنے کی بھاری ذمہ داری اب آپ پر عائد ہوتی ہے جسے میں اپنے پیچھے چھوڑ کر آیا تھا۔ اس کو تتر بتر ہونے سے بچانا اور سبھی افراد خانہ کو اتحاد و یگانگت کی لڑی میں پروئے رکھنا آپ کا فرض بنتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس فرض کی ادائیگی میں آپ کی جانب سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوگی۔ فرزندِ اکبر ہونے کے ناطے مجھے اس سلسلے میں آپ سے بڑی توقعات ہیں اور یقین ہے کہ آپ ان کو پورا کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑیں گے۔ برادرم غلام نبی کی وساطت سے آپ نے جون میں جو خط میرے نام بھیجا تھا وہ کافی تاخیر سے ستمبر کے پہلے ہفتے میں مجھے ملا۔ اس کا جواب مظفر آباد کے پتے پر تحریر کر چکا ہوں۔ میرے خیال میں اگر اسے وہاں سے Redrect[3] نہ کیا گیا تو آپ کو مل بھی نہ پایا ہوگا۔ آپ کے فیصل آباد والے ایڈریس کا ذکر عزیزم ہاشم قریشی نے

☆۱ جاوید مقبول بٹ بی ایس سی آنرز اگریکلچر جامعہ زرعیہ فیصل آباد کے طالب علم تھے۔ اسی تعلیمی سفر کو جاری رکھنے کی تلقین کی گئی۔

☆۲ ترجمہ: "بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

☆۳ خط دوسرے پتے پر ارسال کرنا۔

تحریر خط میں کیا تھا۔ جو پچھلے دنوں مجھے یہاں موصول ہوا۔ اس لئے یہ خط اسی ایڈریس پر تحریر کر رہا ہوں۔ مجھے خوشی ہوگی اگر آپ اپنی تعلیمی مصروفیات کے سلسلے میں مجھے باتفصیل مطلع کریں اور اس سلسلے میں درپیش مسائل سے مجھے باخبر کریں۔ عزیزم شوکت کی جانب سے بھی کافی عرصے سے کوئی خیریت نامہ نہیں ملا۔ برادرم غلام نبی کے ایک تازہ خط سے معلوم ہوا کہ وہ میٹرک میں کامیاب ہوگئے ہیں اور پشاور سے ایک اور خط کے ذریعے پتہ چلا کہ انہوں نے F.Sc میں داخلہ لیا ہے۔ انہوں نے کہاں؟ کس کالج میں؟ کن مضامین کے ساتھ داخلہ لیا ہے؟ اس کی تفصیلات کا مجھے انتظار رہے گا۔

آخر میں ایک بار پھر آپ کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے راضی برضائے ایزدی رہنے کا مشورہ دیتا ہوں۔ اس بات کا یقین رکھئے کہ جور و ستم کی ہر کالی رات کے گزرتے پر امید و مسرت کی ایک نئی صبح اپنی تمام تر جلوہ تابانیوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوا کرتی ہے۔ اس لئے حزن و ملال کو کبھی بھی دل میں جگہ نہ دیجئے اور اپنے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دیجئے۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ اپنی رحمتوں سے نوازتا رہے اور زندگی کے ہر موڑ پر آپ کو کامیابی کی خوشیاں عطا کرے۔

میری جانب سے سبھی دوست احباب اور عزیز و اقارب کو درجہ بدرجہ سلام عرض کریں۔ گھر کے سبھی بچوں کے لئے بہت بہت پیار۔

میری صحت تاحال بالکل ٹھیک ہے اور ایام اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزر رہے ہیں۔ میرے بارے میں فکرمندی اور پریشانی کی ضرورت نہیں کیونکہ جو کچھ مقدر بن چکا ہے۔ اس سے مطمئن رہنا عزم و ایمان کی علامت بن چکا ہے۔ میرے لئے صرف اپنی دعائیں جاری رکھئے۔

خدا حافظ

والسلام

آپ کا ابو

محمد مقبول بٹ

اکرام اللہ جسوال کے نام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سینٹرل جیل نئی دہلی
۱۵ / اکتوبر ۱۹۸۰ء

محترم جسوال صاحب

السلام علیکم:۔

آپ کا تعزیت نامہ ملا، اہلیہ مرحومہ کی وفات پر آپ نے خلوص و محبت سے بھرپور جن ہمدردانہ جذبات کا اظہار کیا ہے ان سے میرے حوصلے کو تقویت پہنچی ہے۔ اس مشکل گھڑی میں آپ نے صبر و تحمل کی تلقین کر کے میرے تئیں جو حقِ دوستی نبھایا ہے اس کے لئے میں آپ کا احسان مند ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ کائنات کی ہر شے فانی ہے اور زندگی و موت تو بہرحال اللہ تعالٰی کے دستِ قدرت میں ہے۔ اس ابدی حقیقت پر یقین اور اس سلسلے میں حزن و ملال سے بے نیازی ہمیشہ سے اہلِ حق کا شعار رہا ہے۔ تاہم زندگی میں کسی بھی رفیقِ سفر کی موت سے باہمی رشتوں میں جو انقطاع پیدا ہو جاتا ہے اس سے جذبات کو ٹھیس اور دل کو صدمہ ضرور پہنچتا ہے۔

یہ تو عمومی حالات کی بات ہے پر جس مخصوص صورت حال سے مجھے ذاتی طور پر سامنا ہے اس میں اس صدمے کی گہرائی کا دو چند ہونا ایک فطری امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جیسے دوستوں اور بہی خواہوں کی جانب سے اظہار رفاقت سے میں اس صدمے کو برداشت کر سکا ہوں۔

آپ کے نامہ محبت سے جو مجموعی تاثر ابھرتا ہے اسے نرم ترین الفاظ میں

☆۱ Desperata ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ ☆۲ Desperation ایک ایسی نفسیاتی کیفیت کا نام ہے جو محض مخصوص حالات میں انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں پیدا ہوا کرتی ہے تنگ دامنی کے باعث اس خط میں ان کی تفصیل درج کرنا ممکن نہیں۔ تاہم اتنا ضرور کہوں گا کہ انسانی تجربے کی روشنی میں عزائم کی تکمیل میں مسلسل رکاوٹوں کے باعث اس کیفیت کا پیدا ہونا عام حالات میں فطری ہے۔ من حیث القوم ہمیں جن حالات کا سامنا رہا ہے ان میں اس کیفیت کی جوازیت بحث طلب ہوسکتی ہے مگر اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ اگر مقاصد اعلیٰ و ارفع ہوں اور بنابریں مستقبل کی تعمیر و تزئین کا ایک واضح اور قابلِ عمل خاکہ (Blueprint) موجود ہو تو ہر نقشِ کہن کو مٹانے اور بوسیدہ سٹرکچرز (Structures) کو زمین بوس کرنے کا عمل بجائے خود تعمیرِ نو کا ایک لازمی جز بن جاتا ہے۔ شکست و ریخت کا یہ جذبہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے تعمیری ہوتا ہے خواہ مدعیانِ اسٹیبلشمنٹ ☆۳ (Establishment) اسے بار بار تخریب کے نام سے ہی کیوں نہ پکاریں۔

آپ کے خط کے بین السطور اس مثبت جذبے کو پڑھنے کی میری کوشش سے یقیناً آپ کو اتفاق ہوگا۔ جو Desperation یوں Chanalise ہو اس کو غیر مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ انسانوں کی دربدری کا نہیں بلکہ ان کو مجتمع کرنے اور ظلم و جبر کی قوتوں کے مقابلے میں فتح و کامرانی سے ہم کنار کرنے کا باعث بنتی ہے۔

آپ نے گردوپیش کے جن حالات کا تذکرہ کیا ہے۔ انہیں جنگ زرگری کی بدترین مثال ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس اکھاڑے میں شامل سبھی نہ صرف مالِ غنیمت کی ہوس میں مبتلا ہیں بلکہ کشور کشائی کے مذموم مقاصد کو نظریات اور اقدار کی پیروی (Service) کے دبیز پردوں میں چھپانے کی ناکام کوششوں میں بھی مصروف ہیں۔ ان کی اس کج ذہنی پر صرف ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔ قتل و غارت' خون ریزی اور سب سے بڑھ کر پسندیدہ انسانی اقدار کی پامالی کی اس صورت حال سے بقول آپ کے نجات کا ایک ہی

۱☆ مایوس کن

۲☆ ناامیدی

۳☆ تعمیر کا دعویٰ کرنے والے

راستہ ہے کہ انسان کے اندر کا انسان بیدار ہو جائے۔ یہ کب اور کیونکر ممکن ہوگا؟ اس سوال کا جواب وقت ہی فراہم کرسکتا ہے۔ انسانوں کا Contribution اس سلسلے میں صرف اس قدر ہوتا ہے کہ وہ اپنا اپنا تاریخی کردار انجام دیتے ہیں اور یہی ان کی تسلی اور اطمینان کا باعث ہوتا ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا تاریخی کردار انجام دینے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین

طوالت سے بچنے کے لئے میں اب اس موضوع کو ختم کرتا ہوں۔ اگرچہ آپ کے بیان کردہ کئی نکات پر اظہار رائے کو جی چاہتا ہے۔ یار زندہ صحبت باقی۔

آپ کا یہ خیال درست ہے کہ قبل ازیں آپ نے جو "طویل خط" تحریر کیا تھا وہ مجھے نہیں مل پایا۔ تاہم آپ کے اس نارسیدہ خط میں آپ نے جن خیالات و جذبات کا اظہار کیا ہوگا' ان کا اندازہ لگانا میرے لئے مشکل نہیں۔

پچھلے کچھ عرصے سے برادرم ڈاکٹر صاحب ☆۱ کے تین چار خط مل چکے ہیں جن کے جواب باقاعدہ لکھ چکا ہوں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ خیریت کے یہ اطلاع نامے ان تک نہیں پہنچ پائے ہیں۔ اس کا انہوں نے اپنے حال کے تعزیتی خط میں شکوہ بھی کیا ہے مگر اس سلسلے میں سوائے اظہارِ معذرت کے میں اور کیا کرسکتا ہوں؟ ان تک اور دیگر سبھی دوست احباب تک میرا پر خلوص سلام ضرور پہنچایئے گا۔ آپ اور دیگر رفقاء سے وابستہ خوشگوار یادیں ہی مجھے احساس تنہائی کے ان مضر اثرات سے بچائے رکھتی ہیں جن کا اسیری کے اس عالم میں پیدا ہونا بعید از امکان نہیں۔ سو امید کرتا ہوں کہ آپ اپنی دعاؤں میں مجھے ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

میری صحت بفضل ایزدی ٹھیک ہے اور باقی معاملات جوں کے توں ہیں۔ مزید کوئی خاص قابلِ ذکر بات نہیں۔ محترم محمد زمان عباسی مرحوم ☆۲ کے انتقال پُر ملال پر میری جانب سے ان کے' پسماندگان سے ضرور اظہارِ تعزیت کیجئے گا۔ امید ہے کہ آپ گاہے گاہے یاد کرتے رہیں گے۔

والسلام فقط آپ کا مخلص

مقبول احمد بٹ

☆۱ ڈاکٹر فاروق حیدر ☆۲ محمد زمان عباسی گڑھی دوپٹہ مظفر آباد کے رہنے والے تھے۔ وفات پا چکے ہیں۔

محمد عارف کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی

۳/ دسمبر ۱۹۸۰ء

عزیزم محمد عارف

السلام علیکم:۔

نومبر کی ۲۴ تاریخ کو آپ نے جو خط حوالہ ڈاک کیا تھا وہ مجھے چند روز پیشتر ملا۔ یاد آوری کے لئے بہت بہت شکریہ۔ آپ کا یہ اندازہ صحیح ہے کہ اس سے قبل آپ نے جو خط روانہ کیا تھا وہ مجھ تک پہنچ نہ پایا۔ کیوں؟ اس سوال کا جواب قابل فہم ہونے کے باوجود تحریر کرنا بے کار ہے۔ اس لئے کہ بقول کسی کے "What can not be cured must be endured" ☆۱ ظاہر ہے مجبوری کے اس عالم میں ہم ان لوگوں کا کیا بگاڑ سکتے ہیں جو انسانوں کے درمیان ربط و تعلق کے معصوم رشتوں میں بھی رکاوٹیں کھڑی کر کے اپنے ذوقِ حاکمیت کی تشفی کا ساماں بہم کرتے ہیں۔ بہرحال آپ کی اور آپ کی وساطت سے دیگر دوست احباب کی خیریت کی اطلاع پا کر دل کو تشفی ہوئی۔ امید کرتا ہوں کہ آپ آئندہ بھی اس سلسلے کو جاری رکھیں گے۔

خلوص و محبت سے بھرپور جن جذبات کا آپ نے اظہار کیا ہے وہ میرے لئے ایک متاعِ بے بہا سے کم نہیں۔ حق تو یہ ہے کہ دلوں کے جو رشتے ایسے جذبات سے مزین ہوں دنیا کی کوئی طاقت ان کو مٹانے میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

جسم و جان پر ہزاروں قدغنوں کے باوجود یہ رشتے نہ صرف عالمِ فرقت میں بھی دلوں کو ایک ساتھ دھڑکنے پر مجبور کرتے ہیں بلکہ ظلم و جفا کی علمبردار قوتوں کی تاریک

☆۱ جس بیماری کا علاج ناممکن ہو اسے برداشت کرنا چاہئے۔

یلغاروں میں بھی اہل عزم و ایمان کے دلوں میں امید و اطمینان کی لازوال شمعیں روشن کرتے ہیں- جہاں ایسے رشتے قائم ہوں وہاں انسانوں کی پیدا کردہ رکاوٹیں اور بندشیں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں- پس جو لوگ جسموں کو دار و رسن کی آزمائشوں سے دوچار کر کے نظریات کی آغوش میں پلنے والے ان رشتوں کو بزعم خویش فنا کرنے کی مساعی میں مصروف رہتے ہیں ان کی کج فہمی پر سوائے ماتم کے اور کیا کیا جاسکتا ہے-

جن امور کے بارے میں آپ نے دریافت کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے- جیل میں مطالعہ کے لئے موقعہ ضرور ملتا ہے اور اس سلسلے میں اصولاً پابندی بھی نہیں- مگر ریڈنگ میٹرل صرف جیل کی لائبریری سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے- اس لائبریری سے گذشتہ برسوں کے دوران سوائے چند مستثنیات کے جو کتب فراہم ہو سکی ہیں وہ صرف ایسے Crime fiction[1] تک محدود تھیں جسے مغرب میں Trash کے نام سے پکارا جاتا ہے- پھر چونکہ مجھے لائبریری تک ذاتی طور پر رسائی حاصل نہیں اس لئے میرے تحویلدار (Warders) جو کچھ بھی انہیں انگریزی میں ملتا ہے مجھے لا کر دیتے ہیں اور وقت گزاری کے لئے میں اسے تو عاد کہا پڑھ ہی لیتا ہوں- ہندی مجھے آتی نہیں اور انگریزی یا اردو سے میرے یہ تحویلدار نابلد ہیں- پس انتخاب کتب میں "زبان یار من ترکی و من ترکی نمیدانم"[2] والی بات ہو کر رہ جاتی ہے- البتہ یہ ضرور ہے کہ دلی ہائیکورٹ کا دروازہ ایک رٹ درخواست کے ذریعے کھٹکھٹانے کے بعد مجھے گذشتہ جنوری سے انگریزی کا ایک روزانہ اخبار پڑھنے کو مل جاتا ہے- جبکہ اس سے قبل اس Luxury سے مجھ محروم رکھا گیا تھا-

خط و کتابت پر بھی اصولاً کوئی پابندی نہیں مگر سنسر کے طویل اور پیچیدہ مرحلوں سے گزرنا اس کا مقدر ہے اور بعض اوقات یہ مرحلے جوئے شیر لانے سے کسی طرح کم ثابت نہیں ہوتے- جب تک Misa ہندوستان میں نافذ رہا میری ملاقات بند تھی- پھر دلی انتظامیہ

☆۱ جرائم کی کہانیاں-

☆۲ "میرے دوست کی زبان ترکی ہے اور مجھے ترکی آتی نہیں" مغل اپنے ترک دوستوں سے ملتے وقت یہ فقرہ بولتے تھے-

کی اجازت سے ہونے لگی مگر گذشتہ برس ہائیکورٹ نے اس شرط کو ختم کر دیا۔ اب ملاقات عام قیدیوں کی طرح ہوتی ہے اور سال بھر میں میرے برادرِ اصغر محترم غلام نبی بٹ صاحب کشمیر سے دو تین بار برائے ملاقات یہاں ضرور آتے ہیں۔ گذشتہ فروری میں برطانیہ میں رہائش پذیر میرے ایک دوست بھی جو مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے سلسلے میں یہاں آئے تھے مجھ سے ملاقات کر گئے تھے۔ ☆۱

میری صحت بفضلِ ایزدی بالکل ٹھیک ہے اور باقی سبھی حالات جوں کے توں ہیں۔ بہرحال آپ جیسے دوست احباب کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے سہارے ایامِ اسیری صبرو شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ آپ کی دعائیں شامل حال رہیں تو امتحان و آزمائش کے اس مرحلے میں بھی حق تعالیٰ سے سرخروئی کی امید ہے۔

امید کرتا ہوں کہ میرے سبھی دوست احباب تک میری خیریت کی اطلاع اور سلام پہنچا دیں گے۔

والسلام
مخلص
محمد مقبول بٹ

☆۱ ملک غلام سرور بٹ صاحب سے ملنے برطانیہ سے دلی آئے تھے۔ ان کی بٹ صاحب سے تہاڑ جیل میں ملاقات ۱۸ جنوری ۱۹۸۰ء کو ہوئی تھی۔

ارشد محمود انصاری کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی

۱۲/ دسمبر ۱۹۸۸ء

عزیزم ارشد محمود انصاری صاحب

السلام علیکم۔

آپ کا خط گزشتہ مہینے کے آخری ہفتے میں ملا تھا۔ جواب لکھنے میں بوجوہ تاخیر ہوئی جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ تاہم یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ خیریت سے ہیں۔ اللہ کرے کہ آپ کے حوصلے بلند اور عزائم جواں رہیں۔

یہاں اس حقیقت کے اعادے کی ضرورت نہیں کہ زندگی سے مایوس ہونا اہلِ ایمان کا شیوہ نہیں یہ تو پرلے درجے کی بزدلی کی علامت ہے۔ جو لوگ نظریات اور مقاصد کے لئے زندگی کو وقف کرتے ہیں ان کے یہاں یاس و ناامیدی کا گزر نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کی زندگی سراپا جستجو اور جدوجہد ہو کر رہ جاتی ہے۔ انھیں یہ غم نہیں ستا سکتا کہ منزل ملی ہے یا نہیں۔ انھیں تو خوشی اس بات کی ہوتی ہے کہ منزل کی جستجو میں ان کا کارواں رواں دواں ہے۔ اور اسی کارواں کو رواں دواں رکھنے کے لئے وہ ستون دار کو چومنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

اہلِ ایمان کے نزدیک زندگی اور اس کی کاوشوں کا مفہوم ہی یکسر الگ ہوتا ہے وہ اسے امروز و فردا کے پیمانے سے نہیں ناپا کرتے۔ اس لئے حالات کی ناسازگاری اور انسانوں کی Failings ☆[1] ان کی زندگی میں حسرت و نومیدی کا زہر گھول نہیں سکتی۔ ان کے یہاں زندگی ایک مسلسل عمل کا روپ اختیار کرتی ہے جو کہ پیہم رواں اور ہر دم جواں ہوتا ہے

☆1 ناکامیاں

اور یوں وہ انسانی تاریخ کی تزئین و آرائش کا سامان بہم کرتے ہیں۔ یقیناً خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو انسانوں کے اس قافلے میں شمولیت کی سعادت حاصل کر سکیں۔ پس ان کے لئے حزن و ملال کی گنجائش ہی کہاں۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی تمام تر بے بضاعتی اور کمزوریوں کے باوصف اپنی اپنی بساط کے مطابق اہل ایمان کے اس گروہ میں شمولیت کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ نے عزیزم عظیم دت، طاہر نعیم انصاری اور میر خالد محمود کی آزاد کشمیر میں گرفتاری کا ذکر کیا ہے۔ ۱☆ طلباء اور نوجوانوں کی جائز سیاسی سرگرمیوں کو روکنے کے لئے قید و بند کا سہارا لینا کسی بھی مہذب حکومت کو زیب نہیں دیتا اور ہر انسانیت دوست اس پر احتجاج کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔ تاہم مجھے امید ہے اور یقین بھی کہ آزمائش کے مرحلوں (جن میں قید و بند کے مرحلے بھی شامل ہیں) سے گزر کر ہی ہماری نوجوان پود ان مقاصد اور اقدار کی صحیح معنوں میں آبیاری (Service) کر پائے گی جنہیں ہم سبھی من حیث القوم پسندیدہ سمجھتے ہیں اور جن کا حصول ہماری جدوجہد کی منزل ہے۔ آزمائش کے یہ مرحلے ہی جدوجہد کی رفتار میں مہمیز کا کام دیتے ہیں۔

بفضل ایزدی میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور ایام اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں، باقی حالات جوں کے توں ہیں۔ مجھے خوشی ہوگی اگر آپ میرے سبھی دوست احباب تک میری خیریت کی اطلاع کے ساتھ ساتھ ان تک میرا پُرخلوص سلام بھی پہنچا دیں۔

آپ اور آپ کے دوستوں کے لئے مکرر سلام

فقط

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد مقبول بٹ

۱☆ این ایس ایف کے یہ طلباء راولاکوٹ میں ایک کنونشن کا انعقاد کر رہے تھے۔ حیات خاں انتظامیہ نے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر رکھی تھی چنانچہ ان طلباء کو گرفتار کر لیا گیا۔

वाई पत्र
rogramme

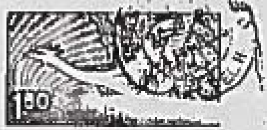

Mr. ARSHAD MAHMUD ANSARI ارشد محمود انصاری

C/o M. ANWAR QAMAR معرفت ایم انور قمر

P.O. BOX NO 750. پوسٹ بکس نمبر 750 مکہ المکرمہ

MECCA - SAUDI-ARABIA السعودی العربیہ

[illegible]
Sender's Name and Address :-

Mohd Maqbool Butt

Ward No. 18, Central Jail

New Delhi 64 —— INDIA

[illegible]
No Enclosures Allowed

محمد عارف کے نام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سینٹرل جیل نئی دھلی

۱۶ / جنوری ۱۹۸۱ء

عزیزم محمد عارف سلمہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

آپ نے ۲۱ دسمبر کو جو خط تحریر کیا تھا وہ گذشتہ ہفتے مجھے یہاں مل گیا۔ جوابی خط لکھنے میں بوجوہ تاخیر ہوئی،اس لئے اس ضمن میں معذرت خواہ ہوں۔ قید خانے کی اس زندگی میں بعض اوقات ایک عدد ایروگرام بھی جوئے شیر لانے سے کچھ کم ثابت نہیں ہوتا۔پس امید کرتا ہوں کہ آپ اس تاخیر پر آزردہ نہیں ہوں گے۔

میں خود کو اس توصیف کا مستحق تصور نہیں کرتا جس کا اظہار آپ نے کیا ہے۔ انسانوں کی تاریخ میں عزائم کی بلندی اور ایمان کی پختگی کی ایسی عظیم اور لازوال مثالیں موجود ہیں جو رہتی دنیا تک انسانوں کے لئے منارۂ نور ثابت، ہوتی رہیں گی۔ یہ انہی ممتاز و اعلیٰ قدروں کا کرشمہ تھا جس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی سکھائے اور یہی وہ مایۂ حیات تھا جس کے طفیل عیسیٰ علیہ السلام نے بخوشی وقت کے حاکموں کی صلیب کو چوم لیا تھا اور طائف کے بازار میں لہولہان ہونے کے باوجود حضور ﷺ کے ماتھے پر حزن و ملال کی شکنیں نہ آنے پائی تھیں۔ یہ تو خیر بہت ہی عظیم اور لامثال ہستیاں تھیں تاہم تاریخ عالم میں ان سے کم تر درجے کی اور بھی بے شمار مثالیں موجود ہیں جہاں انسانوں نے مقاصد زندگی کی حصولیابی کے لئے وقت کی مقتدر قوتوں سے نبرد آزمائی کے دوران زندگی کا نذرانہ تک پیش کیا ہے۔ ہم لوگ ان عظیم ہستیوں کی ہمسری کا دعویٰ تو نہیں کرسکتے تاہم اپنی تمام تر کمزوریوں اور بے بضاعتی کے باوجود ان کے نقشِ پا پر گامزن ہونے کی مقدور

بھر کوشش ضرور کر سکتے ہیں۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان صاحبان عزم و ایمان کے تتبع کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ان مقاصد کی آبیاری ہو سکے جن کے لئے ہم اپنی زندگی کو وقف کر چکے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ہم خدائے بزرگ و برتر سے اور مانگ ہی کیا سکتے ہیں۔

رہا سوال حالات کی ناسازگی اور پیش آمدہ مصائب و مشکلات کا تو اس ضمن میں یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ سب کچھ اس راہ عمل کی ملزومات میں شامل ہیں جو اہل ایمان نے تاریخ کے ہر دور میں اپنے لئے مختص کی ہیں۔ مقاصد جس قدر عظیم اور حصول مقاصد کے لئے لگن جس قدر گہری ہو اسی تناسب سے مصائب کا احساس آساں ہوتا جاتا ہے۔ جو لوگ عزم و ایمان کو زندگی کا شعار بناتے ہیں انہیں یقین ہوتا ہے کہ کم من فیئۃ قلیلۃ غلبت علی کثیرۃ[☆1] کی حقیقت ان کی کامیابی کی سب سے بڑی اور روشن دلیل بن کر سامنے آجاتی ہے۔ وہ قدرت کے انصاف سے کبھی بھی مایوس نہیں ہوتے۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے میری خیریت کا پیغام اور میرا پرخلوص سلام برادرم امان اللہ خان تک پہنچایا۔ ان کی خیریت کی اطلاع سے دل کو سکون حاصل ہوا۔ امید ہے کہ آپ ان تک اور دیگر سبھی دوستوں تک میری خیریت کی اطلاع کے ساتھ ساتھ میرا پرخلوص سلام بھی پہنچا دیں گے۔ ان سبھی دوست احباب کے لئے میری نیک خواہشات وقف ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ بھی اپنی دعاؤں میں مجھے یاد کرتے ہوں گے۔

آپ نے عزیزم غلام نبی کے ساتھ اپنے سلسلہ مراسلت کا ذکر کیا ہے۔ میری جانب سے ان کو اور ان کے دیگر دوست احباب کو سلام پہنچایئے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے نیک مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ اتنی دور اور اس عالم میں ان کے لئے سوائے دعا کے اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔ ان کے بارے میں میری معلومات مختصر ہیں تاہم اندریں حالات اس سے بڑھ کر جاننے کی ضرورت بھی نہیں۔

میری صحت بفضلِ ایزدی بالکل ٹھیک ہے اور ایامِ اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزار

☆1 کتنی ہی چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر۔ (القرآن)

رہا ہوں۔ باقی سبھی حالات جوں کے توں ہیں۔ یہ مختصر سا خط ان حالات و کوائف کے بیان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ میرے لئے ذاتی طور پر بس آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

والسلام

خدا حافظ

مخلص

محمد مقبول بٹ

(نوٹ) نیا سال شروع ہو چکا ہے اللہ کرے یہ سال آپ اور آپ کے دیگر متعلقین کے لئے خیر و برکت کی بھرپور نعمتیں اپنے جلو میں لائے۔

آمین، ثم آمین

ناامیدی کی کیفیت کو قلب و ذہن پر سوار ہونے کی اجازت دینا اہل ایمان اور صاحبانِ عزم کے نزدیک بدترین گناہ ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کے الضالین میں شامل ہونے سے بچائے رکھے اور امید و عزم کی بھرپور مسرتوں سے نوازتا رہے۔ آمین ثم آمین

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے میرپور میں میرے سبھی دوستوں اور رفیقوں تک میری خیریت کی اطلاع پہنچا دی ہے۔ان سب تک میرا جوابی سلام پہنچا دیجئے گا۔ خصوصاً محترم انصاری صاحب،☆١ صوفی صاحب،☆٢ جی ایم میر صاحب، بشیر تبسم صاحب، برادرم صابر صاحب اور عزیزم اشفاق انصاری صاحب کو میری طرف سے خلوص و محبت سے بھرپور سلام بھیجئے گا۔ ان سب اور دیگر رفیقوں کے لئے میری دعائیں اور نیک تمنائیں ہمیشہ وقف رہیں گی۔

آپ نے محترم امان اللہ صاحب کی مکہ شریف میں مجوزہ آمد کا ذکر کیا ہے اگر ان سے آپ کی ملاقات ہوئی ہو تو ان کی خیر خیریت کی اطلاع جوابی خط میں ضرور دیجئے گا اور ان کی مصروفیات کا اگر ممکن ہو مختصراً" ذکر بھی کیجئے گا۔

بفضل ایزدی میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور ایام اسیری بہ صبر و شکر گزر رہے ہیں۔ باقی معاملات جوں کے توں ہیں۔ آپ کے لئے اور ان تمام نوجوان ساتھیوں کے لئے جن کا ذکر آپ نے خط میں کیا ہے میری طرف سے سلام۔

اللہ تعالیٰ ان نوجوانوں کو اپنے نیک مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ اتنی دور ان کے لئے سوائے دعا کے اور کیا پیش کر سکتا ہوں۔

والسلام
آپ کی دعاؤں کا طالب
محمد مقبول بٹ

☆١ عبدالخالق انصاری ایڈووکیٹ

☆٢ صوفی زمان (مرحوم)

ارشد محمود انصاری کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی

۳ / فروری ۱۹۸۱ء

عزیزم ارشد محمود

السلام علیکم:-

آپ کا خط گزشتہ ماہ کے آخری ہفتے میں ملا تھا- جواب میں تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہوں- یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ قید و بند کی زندگی میں انسان خواہش کے باوجود اپنی ہر منشاء کو پورا نہیں کر سکتا- پس بروقت جواب نہ لکھنے کو میری دانستہ غفلت پر محمول نہ کیجئے گا- میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ بندشوں کا ذکر چھیڑ کر اپنی صفائی پیش کروں کیونکہ ایسی صورت میں یہ مطلب اخذ کیا جاسکتا ہے کہ میں آپ کو اپنی مشکلات میں شریک ہونے کی دعوت دے رہا ہوں- اپنے لئے تو بقول غالب احساسِ درد کو مٹانے کا بہترین طریقہ رنج سے خوگر ہونا ہے- مگر اس کے اظہار سے دوستوں کو رنجیدہ کرنا میرے نزدیک مناسب نہیں- اتنا ہی کیا کم ہے کہ فرقت اور "بے بسی" کے اس عالم میں بھی ہم لوگ وفا و اخوت کے رشتوں کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور اس طرح امیدوں کے اس چمن [۱☆] کی برابر آبیاری کئے جارہے ہیں جسے بجا طور پر ہم اپنی مشترکہ میراث سمجھتے ہیں-

اس سے انکار ممکن نہیں کہ انسان اپنے گرد و پیش سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا مگر جن لوگوں کے مقاصد بلند اور تمنائیں عظیم ہوتی ہیں وہ انتہائی نامساعد حالات میں بھی فکر و عمل کو منفی اثرات سے دور رکھتے ہوئے زندگی میں پیش آمدہ تجربات میں مثبت پہلو کی تلاش کو اپنا شعار بناتے ہیں- مصائب و مشکلات کے سامنے گھٹنے ٹیک دینا اور یاس و

۱☆ امیدوں کے چمن سے مراد ایک خوشحال اور خود مختار کشمیر ہے-

ملک اعجاز احمد کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی
۳/ فروری ۱۹۸۱ء

ڈیئر اعجاز احمد

السلام علیکم:-

آپ کا خط ملا، یاد آوری کے لئے بہت بہت شکریہ۔ اس منحوس حادثے کی یاد جو آج سے ٹھیک پانچ برس قبل ہمیں راولپنڈی میں پیش آیا تھا' میرے ذہن میں ابھی تک موجود ہے۔ ☆۱ تاہم میرا خیال تھا کہ علاج معالجے کے جس دور سے آپ C.M.H میں گزر چکے تھے وہ آپ کی ذہنی اور جسمانی توانائی کی بحالی کے لئے کافی تھا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ [illegible] کہ آپ اس قدر طویل ذہنی عارضے سے دوچار رہیں گے۔ اس عارضے کی شدت اور اس کے باعث پیش آمدہ واقعات کی اطلاع مجھے برادرم اصغر صاحب کے خط سے ہوئی تھی جو پچھلے برس مجھے اس جیل میں موصول ہوا تھا۔ یقین کیجئے تب سے مجھے اس بارے میں برابر تشویش رہی ہے اور اس کا اظہار میں کئی دوستوں کے نام اپنے خطوط میں کرچکا ہوں مگر نامہ و پیام کے ان معصوم رشتوں میں حائل حالات کی دیواروں

☆۱ یہ جنوری ۱۹۷۶ء کا پہلا ہفتہ تھا ملک اعجاز NLF کی میٹنگ میں شرکت کے لئے راولپنڈی گئے ہوئے تھے۔ رات کو میٹنگ میں شریک ہوئے۔ صبح ڈاکٹر فاروق حیدر کے گھر (چوہڑ) سے وہ مقبول بٹ صاحب کو لے کر صدر بازار کی طرف آرہے تھے کہ راستے میں ریس کورس گراؤنڈ کے نزدیک انہیں حادثہ پیش آیا۔ جس میں مقبول بٹ کو معمولی چوٹیں آئیں لیکن ملک اعجاز کو سر میں گہری چوٹ لگی جس سے وہ بے ہوش ہوگئے۔ وہ کئی روز سی ایم ایچ راولپنڈی میں بے ہوش رہے جب انہیں ہوش آیا تو ان کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہ تھی اس بیماری کے دوران انہوں نے ایک مرزائی کو کوٹلی میں قتل کردیا۔ گرفتار ہوئے اور ضمانت پر رہائی ملی۔ وہ تادم حیات ذہنی عارضے میں مبتلا رہے۔

کو کیا کہیے کہ خواہش و طلب کے باوجود نہ تو آپ کے تئیں حقِ غمگساری ہی ادا کرسکا اور نہ ہی آپ کے متعلق حالات کا علم حاصل کرسکا اور تو اور برادرم اصغر صاحب کی جانب سے بھی اس کے بعد کوئی خط نہیں ملا۔ ایسے حالات میں سوائے اس کے اور چارہ ہی کیا تھا کہ آپ کو صرف اپنی دعاؤں میں یاد رکھوں۔ یقین کیجئے یہ دعائیں آپ کے لئے ہمیشہ وقف رہی ہیں اور آئندہ بھی رہیں گی۔

میرے لئے یہ بات باعثِ مسرت ہے کہ اب آپ کو کافی حد تک افاقہ ہوا ہے۔ اس کا اندازہ مجھے آپ کے خط سے ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر علاج معالجہ جاری رہا تو آپ کی ذہنی توانائی کی مکمل بحالی خارج از امکان نہیں۔ آپ صبر و سکون کے ساتھ اور کامل اعتماد سے اپنا علاج جاری رکھوایئے اور اس سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے دیجئے۔ آپ کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جن کی تحویل میں آپ ہیں میرا یہی مشورہ ہے۔ آج کے دور میں کوئی بھی مرض لاعلاج قرار نہیں دیا جاسکتا۔ شرط صرف یہ ہے کہ سعی و عمل برابر جاری رکھا جائے۔

آپ کا خط کیا ہے؟ حسبِ حال اشعار کا ایک نہایت ہی خوبصورت گلدستہ جس نے زنداں خانے کی اس بے رونق کوٹھڑی (Cell) میں یک گونہ سمانِ بہار پیدا کیا۔ اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ عیسیٰ کا مقدر صلیب تھا اور شاید ہر دور کے عیسیٰ کا مقدر مگر انجیل آگہی اس کے باوجود کھولی گئی۔ وحشتِ صلیب اس کے اوراق کو بند کرنے میں ناکام رہی اور آئندہ بھی رہے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ بقول ایک شاعر کے ہر دور کے عیسیٰ کو علم ہوتا ہے اور یقین بھی کہ

قتل گاہوں سے چن کر ہمارے علم
اور نکلیں گے عشاق کے قافلے

یہ محض شاعرانہ خیال آرائی نہیں بلکہ قدرت کا اٹل قانون ہے جس سے انسانوں کی تاریخ ہمیشہ مزین رہی ہے۔ اس حقیقت پر یقین کے سہارے سے ہی حق و صداقت کے پیغامبروں نے جور و جفا کے علمبرداروں کے ہاتھوں بخوشی جام شہادت نوش کیا ہے اور کرتے رہیں گے۔ رہا کور چشم خریداروں کے جھرمٹ میں آئینہ فروش کا سوال تو یہ محض

ایک مفروضہ ہے۔ انسانیت بحیثیتِ مجموعی کبھی بھی کور چشم واقع نہیں ہوئی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ظلمتِ شب کے باعث آئینہ حقیقت کی قدر و افادیت کچھ دیر کے لئے نظروں سے اوجھل رہے۔ ایسے حالات میں بھی اہل عزم و ایمان کے لئے حزن و ملال کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ انہیں بقول آپ کے تاریکی میں بھی غنچہِ حقیقت کی چٹک اور ساغرِ عرفان و آگہی کی کھنک ہر آن سنائی دیتی ہے۔

میری صحت بفضل ایزدی بالکل ٹھیک ہے اور ایام اسیری صبروسکون کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ اپنے بارے میں مزید کچھ قابلِ تحریر نہیں کیونکہ بقول آپ کے "شب الم کی حکایات کا یہ وقت نہیں" ابھی کوسوں سفر پڑا ہے اس لئے داستان سفر مکمل سفر پر سنانا ہی موزوں ہے۔

آپ اور آپ کی وساطت سے دیگر سبھی دوست احباب کے لئے میری جانب سے خلوص و محبت سے بھرپور سلام۔

امید ہے کہ آپ گاہے گاہے یاد کرتے رہیں گے۔

والسلام
آپ کی دعاؤں کا طالب
محمد مقبول بٹ

اکرام اللہ جسوال کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی
۲۷/ فروری ۱۹۸۱

محترم جسوال صاحب

السلام علیکم:-

وہ خط جو آپ نے ۱۱ فروری کو بک پوسٹ کیا تھا ملا۔ اس سے قبل جو خط میری اہلیہ مرحومہ کی وفات پر بسلسلہ تعزیت آپ نے بھیجا تھا وہ بھی ملا تھا اور اس کا جواب بھی انہی دنوں تحریر کیا تھا جو غالباً آپ کو مل گیا ہوگا۔ غالباً کا لفظ اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ اس کی وصولیابی کی اطلاع آپ کے اس خط میں درج نہیں۔ اگر اس دوران آپ نے کوئی دوسرا خط لکھا ہے تو وہ یقیناً "خدائی فوجداروں" کی دست برد کا شکار ہو گیا ہے۔ قید و بندش کے اس عالم میں ربط و تعلق کے اس معصوم رشتے میں اگر کوئی رکاوٹیں کھڑی کرنا ہی اپنا شعار بنائے تو اس کی کج ذہنی پر سوائے ماتم کے اور کیا ہی کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال اپنے لئے یہ احساس ہی کافی ہے کہ جبری فرقت کے اس دور میں بھی ہماری یادوں کے اثاثے کوئی ہم سے چھین نہیں سکا ہے اور حالات کی ناساعدگی ان کی تازگی کو کم نہیں کر سکی ہے۔ یقین کیجئے آپ کے ہر خط سے ان یادوں کی تازگی دو چند ہو جاتی ہے۔ اس لئے اگر میں آپ کی یاد آوری پر شکریہ ادا کروں تو اسے محض ایک رسم کی ادائیگی نہ سمجھئے گا۔

"یہ دنیا بہر حال جنہم ہے" اس خیال سے اتفاق ممکن نہیں۔ ☆[۱] اپنی ہیئت ترکیبی کے لحاظ سے یہ دنیا محض چند عناصر طبعی کا ایک مجموعہ ہے۔ یقیناً اس دنیا میں ایسے وسائل کی کمی نہیں جو انسانیت کی فلاح اور معاشرت کی تزئین و آرائش کا باعث ہو سکتے ہیں۔ یہ

☆۱ جسوال صاحب نے اپنے خط میں دنیا کو جنہم لکھا تھا۔

وسائل نہ ہوتے تو انسان ستاروں پر کمند ڈالنے کو سوچ بھی نہ سکتا۔ اس کے باوجود یہ بھی برحق ہے کہ اسی دنیا میں ایسے دور بھی آتے ہیں جب زندگی عذاب بن جاتی ہے اور انسانیت چلتی پھرتی لاشوں کا ایک غول ہو کر رہ جاتی ہے۔ مگر اس میں قصور کس کا ہے؟ جب انسان خود ہی مقدروں کی خدائی کا دعوی کر بیٹھے اور پسندیدہ اصول و اخلاق کے علی الرغم اپنی ہی جنس کو پابندِ سلاسل کرنے کی ٹھان لے تو سوائے محکومی اور پستی کے انسانوں کے حصے میں اور آہی کیا سکتا ہے۔ افغانستان ہو یا کشمیر یا دنیا کا کوئی اور خطہ' جہاں بھی یہ کیفیت ہوگی وہاں درد و کرب ہی انسانوں کا مقدر بن جائے گا۔ بایں ہمہ یہ اٹل حقیقت بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ ☆[1] Thesis کا ایک Anti-Thesis اور ہر ☆[2] Climax کا ایک Anti-Climax بھی پیدا ہو جاتا ہے اور فلسفے کی زبان میں یوں ایک جدلیاتی عمل ہمیشہ رواں رہتا ہے۔ تاریخِ عالم گواہ ہے کہ ظلم و عدوان کے کسی بھی دور کو اس کے علمبرداروں کی فراوانی وسائل کے باوجود ثبات حاصل نہیں ہو سکا۔ اس لئے کہ صنم کدۂ جہاں نے ہر دور میں اپنے ابراہیم کو تلاش کیا ہے اور اسے پالیا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ دہشتِ صلیب کے باعث انجیلِ آگہی کے اوراق کھلنے نہ پائیں اور انسانیت اس کی ضیاء پاشیوں سے محروم رہے۔

آپ نے میرے کیس کی تفصیل اور حقیقت دریافت کی ہے۔ ان دونوں کا بیان اس مختصر خط میں ناممکن ہے۔ اجمالاً یوں ہے کہ میری سزائے موت کی توثیق کشمیر ہائی کورٹ نے اکتوبر ۱۹۷۵ء میں میری عدم حاضری اور عدم پیروی کے دوران کر دی تھی اور جب ۱۹۷۶ء میں میں نے سپریم کورٹ میں سپیشل لیو برائے اپیل کی عرض دائر کر دی تو اسے زائد المیعاد ہونے کے باعث خارج کر دیا گیا۔ پھر میری ☆[3] Mercy Petution حسبِ قاعدہ ریاستی گورنر کے پاس بھیج دی گئی مگر اس کے مندرجات ان کی طبعِ نازک پر گراں گزرے اور وہ اسے مسترد کر بیٹھے۔ اب یہی پیٹیشن صدرِ ہند کے پاس مئی ۱۹۷۷ء سے زیرِ غور ہے اور تاہنوز اس پر کوئی فیصلہ صادر نہیں ہوا ہے۔ ویسے یہاں کی سپریم کورٹ نے اپنی ☆[4] Rulings میں یہ قرار دیا ہے کہ سزائے موت کی توثیق و تکمیل صرف ☆[5] Exceptional

☆۱ دعویٰ' مقدمہ۔ ☆۲ عروج۔ ☆۳ رحم کی اپیل۔ ☆۴ فیصلے۔ ☆۵ غیر معمولی۔

حالات میں کی جانی چاہئے اور قتل کے مقدمات میں صرف عمر قید کی سزا کو Rule تصور کیا جائے۔ ان رولنگس کی روشنی میں کئی Condemned Prisoners [☆1] کی رٹ درخواست پر سپریم کورٹ نے ان کی سزائے موت عمر قید میں بدل دی ہے۔ عدالتی چارہ جوئی کے اس طریقہ کار پر زرِ کثیر خرچ کرنا پڑتا ہے اور فی الحال میرے بس سے باہر ہے۔ اس لئے صدرِ ہند کی حسِ انصاف پر تکیہ کئے ہوئے اسیری کے ایام گزار رہا ہوں۔ عزیزان ریاض احمد اور عبدالحمید دونوں سری نگر میں ہیں۔ سنا ہے کہ وہاں پر بشمول میرے ان کے خلاف ایک عدد کیس کسی سپیشل جج کی عدالت میں زیرِ سماعت ہے۔ اس کیس میں Chief Accused [☆2] ہونے کے باوجود سرکاری طور پر تاحال نہ تو مجھے اس کی کوئی اطلاع دی گئی ہے اور نہ ہی ٹرائل کورٹ میں مجھے تاہنوز پیش کیا گیا ہے۔ یہ کیس میری Absentia [☆3] میں چل رہا ہے جبکہ میں سرکار کی تحویل میں ہوں۔ مزید تبصرے کی ضرورت نہیں۔

بفضلِ ایزدی میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور آپ جیسے دوستوں کی دعاؤں کے سہارے وقت بخیریت گزر رہا ہے۔ امید ہے کہ آپ اور دیگر سبھی احباب خیریت سے ہوں گے۔ گذشتہ اکتوبر میں برادرم ڈاکٹر صاحب کا ایک خط ملا تھا اس کے بعد ان کی جانب سے خاموشی رہی۔ نہ معلوم میرا جوابی خط انہیں ملا بھی کہ نہیں۔ بہرحال آپ کی وساطت سے راولپنڈی اور دیگر مقامات پر سکونت پذیر سبھی دوست احباب کو میری جانب سے خلوص و محبت سے بھرپور سلام۔

فقط

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد مقبول بٹ

(نوٹ) ایک عرصہ ہوا کہ محترم علوی صاحب اور جی ایم میر صاحب کی خیریت کی اطلاع نہ مل پائی۔ اگر ممکن ہو تو ان کے احوال سے مجھے ضرور مطلع کریں۔

☆1 "وہ قیدی جنہیں سزائے موت سنائی گی ہو" ☆2 "بڑا ملزم" ☆3 غیر موجودگی۔

ملک غلام سرور کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی
۲۷ فروری ۱۹۸۱ء

براد رم غلام سرور صاحب

السلام علیکم:-

آپ کا خط ملا' یاد آوری کا شکریہ- آپ سے ملاقات کے بعد میں خود بھی آپ کو یاد کرنے کے لئے کئی بار سوچتا رہا مگر میرے پاس آپ کا پتہ نہیں تھا- برادرم اصغر صاحب نے بھی کوٹلی سے ایک خط تحریر کیا تھا مگر میرے جوابی خط کے بعد وہ اس سلسلے کو جاری نہ رکھ سکے- یوں یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا- بہرحال اب جبکہ یہ رشتہ شروع ہوچکا ہے مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ بھی وقتاً فوقتاً یاد کرتے رہیں گے- بھلا دوستوں کے مابین مراسلت میں احساس کمتری کی گنجائش ہی کہاں ہوتی ہے-

اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ جو لوگ توکل باللہ کو زادِ راہ بنا کر کار زارِ زندگی میں حق کی علمبرداری کو اپنا شعار بناتے ہیں وہ صبر آزما امتحانوں سے گزرنے کے باوجود اپنے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دیتے- وسائل کی کمی اور حالات کی ناساعدگی کے باوجود ان کے عزائم جواں رہتے ہیں اور اس یقین کے ساتھ کہ کم من فیئة قلیلة غلبة علی کثیرة ☆۱ وہ اپنی مخصوص راہ عمل پر گامزن رہتے ہیں پھر اس بشارت ایزدی کے ہوتے ہوئے کہ ولا تھنو ولا تحزنو وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ☆۲ دنیا کی کونسی طاقت ہے جو انہیں مال کار کامیابی اور سرخروئی سے روک سکتی ہے- پس یہ غلط ہے کہ اس گلشنِ ہستی میں تنگیٔ داماں کا کوئی علاج نہیں- شرط صرف یہ ہے کہ انسان خود

☆۱ ترجمہ: بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن سے- (البقرہ ۲۴۹)
☆۲ ترجمہ: اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تمہیں سربلند رہو گے اگر تم سچے مومن ہو- (آل عمران ۱۳۹)

ہی چند کلیوں پر قناعت نہ کر بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں کا سلسلہ ایک بحرِ بیکراں ہے۔ انسان جہد و ایمان پر قائم رہے تو بڑے سے بڑا اعجاز بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ اس یقین کے ہوتے ہوئے ہمارے لئے یاس و ناامیدی کا کوئی مقام نہیں اور نہ ہی آزردہ خاطر ہونے کی ضرورت ہے۔

آپ نے جس خلوص و محبت کا اظہار کیا ہے اس کے لئے شکریہ۔ حق تو یہ ہے کہ خلوص و محبت کے ان باہمی رشتوں کی استواری ہی ہمارا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ اور اسی سرمائے کی بدولت آزمائش کی یہ گھڑیاں اپنی تمام تر مشکلات کے باوصف آسان ہوتی جا رہی ہیں۔ ان رشتوں کو جس قدر مضبوط اور پائیدار بنایا جائے راہ سفر کی صعوبتیں اتنی ہی کم ہوتی جائیں گی۔

پس دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس ضمن میں زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ توقعات پوری ہو سکیں جن کو ہم سبھی حرزِ جان بنائے بیٹھے ہیں۔ یاد رکھئے دلوں کی گہرائیوں سے اٹھنے والی پر خلوص دعائیں بارگاہ خداوندی میں ضرور مستجاب ہوتی ہیں۔ آخر اس ذات باری سے بڑھ کر دلوں کا حال جاننے والا اور کون ہو سکتا ہے۔

میری اہلیہ مرحومہ کی وفات پر آپ نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے وہ میرے حوصلوں کی تقویت کا باعث بنے ہیں۔ کل نفس ذائقة الموت☆[1] انسان فانی ہے اور موت سے کسی کو مفر نہیں۔ بہرحال مجھے اس سلسلے میں دکھ صرف اس بات کا ہے کہ سفرِ زندگی کے آخری مراحل میں مرحومہ تئیں وہ ذمہ داریاں پوری نہ کرسکا جو کہ میرا حصہ تھیں۔ یہ اللہ کی رضا تھی اس میں کون کیا کر سکتا ہے۔

میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور ایام اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ باقی حالات جوں کے توں ہیں۔ آپ اور آپ کی وساطت سے دیگر سبھی دوست احباب کے لئے میری جانب سے خلوص و محبت سے بھرپور سلام۔

فقط آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد مقبول بٹ

☆1 ترجمہ: "ہر جی کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔" (القرآن)

ارشد محمود انصاری کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی

۲۹ / مارچ ۱۹۸۱ء

عزیزم ارشد محمود انصاری صاحب

السلام علیکم:۔

آپ کا خط مورخہ ۱۷ مارچ کو ملا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ خیریت سے ہیں۔ میں نے آج تک آپ کے سبھی خطوط کا باقاعدگی سے جواب دیا ہے۔ پچھلی بار کچھ ناگزیر وجوہ کی بنا پر جوابی خط لکھنے میں تاخیر ہوئی تھی اور اس کے لئے میں نے آپ سے معذرت بھی کی تھی۔ میری کوشش یہی ہے کہ سبھی دوست احباب کے خیریت ناموں کا بروقت جواب دوں کیونکہ اس سلسلے میں میری جانب سے تاخیر کے باعث حلقہ احباب میں تشویش کا پیدا ہونا قابل فہم ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جبری فرقت کے اس عالم میں نامہ و پیام کا یہ مختصر سا سلسلہ نہ صرف ہماری یادوں کو زندہ رکھنے کا واحد ذریعہ ہے بلکہ باہمی قربت کے احساس کو قائم رکھنے اور خلوص و محبت کے جذبات کے اظہار کے توسط سے ہماری امیدوں اور حوصلوں کو تقویت پہنچانے کا بھی باعث ہے۔ یقین رکھیے اس ضمن میں میری جانب سے کوتاہی نہیں ہوگی۔

آپ کی تشویش بجا ہے۔ مگر میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ زندگی اور موت پر صرف اس قادرِ مطلق کو اختیار حاصل ہے جسکی نہ صرف ہم بلکہ یہ ساری کائنات مخلوق ہے۔ یہ محض ایک مفروضہ نہیں بلکہ میرے لئے نہ صرف علم و وجدان بلکہ زندگی میں پیش آمدہ تجربات کا بھی نچوڑ ہے۔ حق و باطل کی کشمکش میں حق کا ساتھ دینے والے زندگی کا ایک الگ اور منفرد مفہوم رکھتے ہیں۔ اس مفہوم کا بیاں اس مختصر سے خط میں ممکن نہیں۔تاہم میں یہاں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جس بازی کے لئے ہم زندگی داؤ پر لگا چکے

ہیں اس کی نوعیت ایسی ہے کہ ہار کر بھی بازی میں مات نہیں۔ درحقیقت اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ انسان کامل شعور کے ساتھ زندگی کے مقاصد کی آبیاری کرتا رہے۔ اگر شعور و مقاصد کے عناصر کو زندگی سے خارج کیا جائے تو ایسی زندگی حقیقت میں موت کے مترادف ہو جاتی ہے۔ شعور و عمل کی موت ہی دراصل حقیقی موت ہوتی ہے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ و مامون رکھے۔

جس وقت یہ خط آپ کو ملے گا۔ آپ مختصر عرصہ کے لئے ہی سہی وطن کی تازہ ہواؤں سے لطف اندوز ہو چکے ہوں گے [☆1] ان ہواؤں سے جن کو سانسوں میں شامل کرنے کے لئے جذبہ و تڑپ کی شدت کا احساس دیارِ غیر میں عالمِ مجبوی میں بڑھتا ہی رہتا ہے۔ [☆2] بہرحال آپ کی اس خوش قسمتی پر میں صرف رشک ہی کر سکتا ہوں۔ درد کی شدت کا مداوا نہیں۔ تاہم امید کا دامن تھامنے کے لئے آپ سے پر خلوص دعاؤں کا متمنی ضرور ہوں۔ وطن میں قیام کے دوران آپ کو ہمارے دوست احباب سے بالمشافہ ملنے اور ان کی خیریت و احوال کو جاننے کا موقعہ ضرور ملا ہوگا۔ اس لئے مجھے خوشی ہوگی اگر آپ برسوں سے بچھڑے ان رفیقوں کی خیریت اور دیگر احوال سے مجھے باخبر کریں۔ اور ان سب تک میرا سلام اور دعائیں پہنچادیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس ضمن میں ضروری تفصیلات فراہم کر کے آپ مجھے ایک بار پھر شکریہ ادا کرنے کا موقعہ فراہم کریں گے۔

میری صحت بفضل ایزدی بالکل ٹھیک ہے۔ باقی حالات جوں کے توں ہیں۔ ایامِ اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزارنے کی کوشش جاری ہے۔ اگر محترم امان اللہ صاحب کی جانب سے خیریت کی کوئی خبر ملی ہو تو اس سے ضرور مطلع کیجئے گا۔ میری جانب سے آپ کو اور آپ کے سبھی دوست احباب کو پرخلوص سلام

فقط آپ کی دعاؤں کا متمنی

محمد مقبول بٹ

☆1 مکتوب الیہ سعودی عرب سے اپنے گھر میرپور آئے ہوئے تھے یقیناً نہیں یہ خط واپس سعودی عرب پہنچنے پر ملا ہوگا۔

☆2 جو لوگ وطن کی عزت و آزادی کے لئے برسرپیکار ہوں ان کے لئے وطن سے دوری بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ سرزمین کشمیر کی آزادی کا یہ متوالہ دیارِ غیر میں کس کیفیت سے دوچار رہا ہوگا۔

ڈاکٹر فاروق حیدر کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی

☆۱ ---------------

برادرم فاروق حیدر صاحب

السلام علیکم:-

کچھ عرصہ قبل آپ کا ارسال کردہ کپڑوں کا پارسل ملا تھا۔ ☆۲ پھر چند روز پیشتر آپ کا محبت نامہ بھی ملا۔ دونوں کے لئے آپ کا شکریہ۔

میرے لئے یہی کیا کم ہے کہ فرقت کے اس طویل دور میں آپ مجھ سے وابستہ یادوں کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں اور حق تو یہ ہے کہ یادوں کے اس سہارے سے اسیری کے یہ ایامِ تنہائی کی صعوبتوں کے باوجود آسان ہوتے جا رہے ہیں۔ آپ کا یہ شکوہ بجا ہے کہ ایک عرصہ سے آپ کو خط نہیں لکھا۔ یہ بات نہیں کہ آپ کی یاد ذہن سے محو ہو گئی تھی اور یہ بھی نہیں کہ لکھنے کو کچھ نہیں تھا۔ اسیری کے اس دور میں بھی متعدد ایسے تجربات سے واسطہ پڑتا ہے۔ جو یقیناً قابلِ ذکر ہوتے ہیں ☆۳ مگر یہ سبھی تجربات عام طور پر تلخ ہوا کرتے ہیں۔ پھر آپ کو کیا معلوم کہ اس زنداں خانے میں ☆۴ Top Securety Prisoner ہونے کے باعث میرے ان تجربات کی ترشی فزوں تر ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک طویل عرصہ سے ان صبر آزما حالات کا مقابلہ کرتے کرتے

☆۱ مقبول بٹ شہید اس خط پر تاریخ درج کرنا بھول گئے البتہ ایروگرام کے اوپر راولپنڈی میں پوسٹ آفس کی جو وصولی مہر لگی ہے اس پر 30-APR-81 واضح طور پر پڑھا جاتا ہے۔

☆۲ ڈاکٹر فاروق حیدر نے مقبول بٹ شہید کو سلے ہوئے کپڑے بھیجے تھے۔

☆۳ بدترین قید تنہائی میں بھی مقبول بٹ شہید کا مشاہدہ حیات کتنا واضح تھا۔

☆۴ انتہائی خطرناک قیدی۔

اب ان کی تلخی کا احساس بھی ماند پڑ چکا ہے اور مصائب و مشکلات کے اس دور میں بھی مسکراتے رہنا اپنی Second Nature [1☆] بن چکی ہے۔ پر میں یہ نہیں چاہتا کہ ان تجربات کے تذکرے سے آپ جیسے حساس دوستوں کے احساس درد میں اضافہ کروں۔ اپنا رجحان طبع اب بقول کسی فلمی شاعر کے کچھ ایسا ہوتا جا رہا ہے کہ "ہم جرم محبت کی سزا پائیں گے تنہا"۔ رہی دوسروں کی خطائیں تو ان کا گلہ بے سود ہے۔ بایں ہمہ مجھے اعتراف ہے کہ آپ کو اپنی خیریت سے مطلع کرنے میں میری جانب سے تساہل ہوا ہے اور اس کے لئے میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ تاہم یہاں یہ ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کے جتنے بھی خطوط آج تک ملے ہیں ان کا بروقت جواب دے چکا ہوں کیونکہ خط ملنے کے بعد جواب لکھنے میں تساہل کے لئے میرے ذہن کو کوئی وجہ آج تک نہیں سوجھی ہے۔ پس نامہ و پیام کے اس سلسلے کو اگر آپ جاری رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ کو میری خیر و عافیت کی اطلاع نہ ملتی رہے۔ اس سلسلے میں آپ مجھ سے زیادہ بہتر پوزیشن میں ہیں۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ پشاور تشریف لے گئے تھے اور وہاں ہمارے سبھی لواحقین سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ محترم چچا جان کی ضعیفُ العمری کے باعث مجھے اکثر تشویش رہتی ہے پھر ان کی صحت بھی تو اچھی نہیں۔ بہرحال اس سلسلے میں میں صرف دعا ہی کرسکتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ ان کے حوصلوں کو قائم رکھنے میں مقدور بھر کوشش کریں گے تاکہ اس باب میں میرے ذہن کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے۔ مجھ یقین ہے کہ آپ کے مشورے ان کے اس احساس بے چارگی کو دور کرنے میں کامیاب ہوں گے جس کا میری غیر موجودگی میں انہیں سامنا ہے۔ گزشتہ دو ماہ کے عرصے میں ان کی جانب سے مجھے کوئی خط نہیں ملا۔ اس لئے یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ اپنے فوری مسائل کو حل کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ انہیں فہمائش [2☆] کریں کہ وہ مناسب وقفوں پر اپنے حالات و کوائف سے مجھے آگاہ کرتے رہیں۔

میری صحت بفضل ایزدی بالکل ٹھیک ہے اور ایامِ اسیری صبر و شکر کے ساتھ

☆1 فطرت ثانیہ

☆2 ہدایت

گزارنے کی کوشش جاری ہے۔ باقی معاملات جوں کے توں ہیں۔ آپ کے خط سے دوست احباب کی خیریت کی اطلاع ملی۔ اس کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں۔ میری جانب سے سبھی دوست احباب کو نہ صرف میری خیریت کی اطلاع دیں بلکہ ان تک میرا پر خلوص سلام بھی پہنچا دیجئے گا۔ گزشتہ دنوں محترم جسوال صاحب کو بھی ایک خط ارسال کر چکا ہوں جو غالباً اب تک انہیں مل چکا ہو گا۔

آپ اور آپ کے اہل خانہ کو میرا خصوصی سلام، ننھے سلطان حیدر کے لئے بہت بہت پیار، اگلے خط میں عزہ اور منزہ کی درس و تدریس کے بارے میں ضرور تحریر کیجئے گا۔

فقط

والسلام

آپ کا بھائی

محمد مقبول بٹ

ملک غلام سرور کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی
۳۱ / مئی ۱۹۸۱ء

محترم سرور صاحب

السلام علیکم:-

ایک طویل عرصے کے بعد آپ کا محبت نامہ ملا- اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ خیریت سے ہیں- اس میں شک نہیں کہ "دیارِ غیر" میں زندگی کے معمولات کچھ اس نوع کے ہوتے ہیں کہ انسان ہردم عدیم الفرصتی کا شکار رہتا ہے- مگر جن حالات سے ہم لوگ دوچار ہیں ان میں نامہ و پیام کا یہ مختصر اور موہوم سلسلہ اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتا ہے- اس سے نہ صرف ہماری یادوں کے چراغ روشن رہتے ہیں بلکہ آزمائش کے اس دور میں ہمارے حوصلوں کو تقویت بھی ملتی ہے- اس لئے آپ کی یاد آوری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس سلسلے کو آئندہ بھی جاری رکھنے کے لئے اپنی مصروفیات کے باوجود وقت نکالتے رہیں گے-

مجھے آپ کے اس خیال سے اتفاق ہے کہ زندگی میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہونے کے لئے پرخار راستوں اور سنگلاخ چٹانوں سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے- جو لوگ حالات کی ناسازگی اور راہِ سفر کی مشکلات کو بہانہ بنا کر اپنے پسندیدہ تصورات کو عملی شکل دینے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں اور خود کو حالات کی رو میں بہنے کی دانستہ اجازت دیتے ہیں وہ درحقیقت خود اپنی زندگی کے ساتھ ایک بہت بڑی ناانصافی کے مرتکب ہوتے ہیں- ادراک و شعور کے باوجود محض حالات کی ناموافقت کے باعث جہد و عمل کی راہ پر ترکِ سفر ایک ایسا گناہ ہے جس کی تلافی ناممکن ہے- دعا کیجئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے دامن

زندگی کو اس گناہ کی آلودگی سے بچائے رکھے اور ہمیں اس قدر توفیق عطا فرمائے کہ ہم مقدور بھر ایمان و عمل کے راستے پر گامزن رہ سکیں۔

ربنا ولا تحملنا مالا طاقہ لنا بہ' واعف عنا' واغفرلنا وارحمنا انت مولنا فانصرنا علی القوم الکفرین ☆[۱] (آمین)

آپ نے خط کے ہمراہ 30 پونڈ کا جو بینک ڈرافٹ بھیجا تھا وہ مجھے مل گیا ہے۔ ابھی تک یہ کیش نہیں ہوا کیونکہ اسے کیش کرانے کے لئے جیل حکام کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اور آپ کو معلوم ہی ہے کہ دنیا کے اس خطے میں سرکاری مشینری کس قدر سرعت کے ساتھ کام کرتی ہے؟ ☆[۲] ویسے آپ کا خط کوئی ڈیڑھ مہینہ قبل مل گیا تھا مگر جواب لکھنے میں بوجوہ تاخیر ہوئی جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور ایامِ اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ مجھے کوئی ایک ماہ قبل وارڈ نمبر ۱۸ سے وارڈ نمبر ۱۶ میں منتقل کر دیا گیا ہے جسے جیل کی زبان میں پھانسی کوٹھی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پہلے تنہائی تھی اور اب سزائے موت کے کچھ قیدیوں سے ملنے جلنے کا موقعہ مل رہا ہے۔ باقی حالات جوں کے توں ہیں۔ یہاں آج کل گرمی زوروں پر ہے اور ۲۴ گھنٹے سیل (Cell) میں بند رہنے کے باعث جسم بس ماہئی بے آب کی طرح محسوس کرتا ہے۔ باقی خیریت

میری جانب سے تمام دوست احباب کو سلام کہنا نہ بھولئے گا۔ پچھلے دنوں برادرم اصغر صاحب نے بھی کوٹلی سے ایک خط بھیجا تھا جس کا جواب جلد ہی لکھنے والا ہوں۔

والسلام

خدا حافظ ---- خیر اندیش

محمد مقبول بٹ

☆۱ ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! نہ ڈال ہم پر وہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت نہیں اور در گزر فرما ہم سے۔ اور بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر۔ تو ہی ہما مددگار ہے۔ تو ہماری مدد فرما قوم کفار پر۔ (البقرہ ۲۸۶)

☆۲ کبھی کبھار کوئی دوست مقبول بٹ شہید کو پیسے بھیجتا تو جیل حکام جان بوجھ کر بینک ڈرافٹ کیش کروانے میں کئی کئی ماہ تاخیر کر دیتے۔

راجہ مظفر خاں کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی

۵ / جون ۱۹۸۱ء

ڈیئر مظفر راجہ

السلام علیکم:-

ایک طویل مدت کے بعد آپ کی خیریت کی اطلاع ملی - یہ بات تو خیر نہیں کہ آپ کی یاد ذہن سے محو ہوئی تھی یا یہ کہ آپ سے تعلق خاطر کمزور پڑ گیا تھا۔ تنہائی اور جبری فرقت کے اس عالم میں آپ جیسے اہلِ خلوص و وفا شعار دوستوں اور عزیزوں سے وابستہ یادیں ہی میرے حوصلوں کی تقویت کا باعث بنی ہوئی ہیں - مجھے یقین ہے کہ خلوص و محبت کے جو رشتے ہمارے درمیان برسوں سے قائم چلے آرہے ہیں اور جن کی آبیاری ہم خونِ جگر سے کرتے رہے ہیں. اس قدر پختہ اور لازوال ہیں کہ حالات کی ناسازگی اور بادِ مخالف کے تند و تیز طوفان ان کی استواری میں کوئی رخنہ پیدا کرنے میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتے - البتہ یہ ضرور ہے کہ آپ کے محبت نامے سے ان یادوں کی تازگی دوچند ہوئی جنہیں اسیری کے عالم میں اب بھی میں سینے سے لگائے بیٹھا ہوں- پس اگر میں اس ضمن میں آپ کا شکریہ ادا کروں تو اسے محض ایک ادائیگی رسم پر معمول قرار نہ دیجئے گا۔

آپ نے چاہت کے باوجود کچھ زیادہ نہ لکھنے کے سلسلے میں جس مجبوری کا اظہار کیا ہے [☆1]

☆1 بقول راجہ مظفر خان "میری یہ مجبوری دو قسم کی تھی اول تو بٹ صاحب کو خط لکھتے وقت میں اس قدر جذبات میں آجاتا کہ لفظ میرا ساتھ چھوڑ دیتے- دوم میں نے اپنی کمپنی کے ایک ہندوستانی کارکن (جو کہ کانگرس آئی کے ایک مرکزی لیڈر کا بیٹا تھا) کے ہاتھ تہاڑ جیل میں بٹ صاحب کے نام خط ارسال کیا تھا- جس احتیاط کے پیش نظر میں نے وہ خط لکھا یہی میری مجبوری تھی اور بٹ صاحب کو اس کا احساس تھا۔"

اس کا مجھے بھرپور احساس ہے[☆1] - بایں ہمہ میں آپ کو یہ بتانا پسند کروں گا کہ دلوں کی باتیں جاننے کیلئے ڈھول پیٹنے کی ضرورت نہیں - جذبات واحساسات کی ایک منفرد زبان ہوا کرتی ہے۔ انہیں سمجھنے اور پہچاننے کے لئے لمبی چوڑی تحریروں کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ آپ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئے ہیں اور جواباً میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے شوق و یقین اور اس سے وابستہ جذبہ جہد و عمل میں متواتر اضافے کے لیے آپ کو زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آپ کو چونکہ بیت اللہ سے قرب کا شرف حاصل ہے اس لئے بھی مجھے بھروسہ ہے کہ آپ ذوقِ یقین اور شوقِ عمل کی نعمت سے مالامال ہوتے رہیں گے - یہی تو وہ مقام ہے جہاں سے صدیوں قبل انسانوں کو جسم و روح کی آزادی و بالیدگی کے سدا بہار پیغام سے نوازا گیا تھا۔ اس پیغام کی انقلابی Ispiration[☆2] سے اہلِ خلوص و وفا اب بھی مستفید ہو سکتے ہیں - جہالت' تاریکی اور جبر و غلامی کی علمبردار قوتوں سے نبرد آزما ہونے اور انہیں سرنگوں کرنے کے لیے ایمان و عمل کی شاندار روایتوں کو قائم کرنا ہی تو اس عظیم اسوہ حسنہ کی Essence[☆3] ہے جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے قریبی رفقاء کار ودیعت کر چکے ہیں۔[☆4] مجھے یقین ہے کہ آپ جیسے عزیزوں اور رفیقوں کی دعائیں اور جذبۂ عمل دار و رسن کی اس آزمائش میں ہم سبھی کو سرخروئی سے ہمکنار کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔

اپنی کوتاہیوں کا احساس ہی انسان کی عظمت و دانائی کی دلیل ہوا کرتی ہے۔ اس پر شرمسار ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ احساس نہ ہو تو جہد و عمل کا صحیح تعین ناممکن بن جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ خدا کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں۔ انسان کا ایمان اور جذبۂ عمل قائم

☆1 احساس کا انداز ملاحظہ فرمائیں! دیار غیر کی کال کوٹھڑی میں مقید ایک شخص آزاد فضاؤں میں بسنے والے دوستوں کی مجبوریوں کا بھی کتنا احساس رکھتا ہے۔

☆2 روح۔ ☆3 جوہر

☆4 مقبول بٹ کی فکر کا سرچشمہ وہی مقام تھا جہاں سے شرف انسانیت کی وہ عظیم صدا بلند ہوئی تھی جس نے آزادی اور حریت فکر کا حقیقی تصور دیا۔

رہے تو ہزار ناکامیوں اور Set Backs ☆[1] کے باوجود مال کار حصول مقصد کی مسرتیں اس کا مقدر بن جایا کرتی ہیں۔ اور پھر بقول کسی شاعر کے

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا

گر جیت گئے تو کیا کہنا گر ہارے بھی تو بازی مات نہیں

اس پر قرآن کی یہ بشارت ہمارے لئے کیا کم ہے کہ ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ☆[2] پس دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سبھی کو اہل ایمان کے گروہ میں شامل ہونے کی سعادت سے نوازے تاکہ ہم اس بشارت کے مستحقین میں شامل ہو سکیں۔ سچائی کے منکر سرنگوں ہوں اور اہل حق فتح و نصرت سے ہمکنار۔

بفضلِ ایزدی میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور ایامِ اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ حالات و شرائط اسیری جوں کے توں ہیں البتہ ایک ماہ قبل مجھے زنداں خانے کے وارڈ نمبر ۱۸ سے وارڈ نمبر ۱۶ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ اس وارڈ کو جیل کی زبان میں پھانسی کوٹھی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ برسوں کی تنہائی کے بعد اب اس نئے وارڈ میں کچھ اور قیدیوں سے ملنے جلنے کا موقعہ مل رہا ہے۔ آپ یقیناً میری اسیری کے بارے کچھ زیادہ جاننے کے خواہشمند ہوں گے۔ مگر اس مختصر سے اریوگرام میں ان تمام حالات و کوائف کا بیان ممکن نہیں۔ پھر اسیری کا رنج و الم تو اب فطری سالگ رہا ہے اور بقول غالب ع

رنج سے خوگر ہو انساں تو مٹ جاتا ہے رنج

میری جانب سے آپ کو اور آپ کی وساطت سے تمام دوست احباب اور عزیزوں کے لیے خلوص و محبت سے بھرپور سلام۔ امید ہے کہ آپ گاہے گاہے یاد کرتے رہیں گے تاکہ باہمی یادوں کی تازگی کو جاری رکھا جا سکے۔

خدا حافظ آپ کا مخلص

محمد مقبول بٹ

☆۱ رکاوٹیں، پسپائیاں۔

☆۲ "نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو، تمہی سربلند رہو گے اگر تم سچے مومن ہو۔ (آلِ عمران-۱۳۹)

اکرام اللہ جسوال کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی

۱۷/ جون ۱۹۸۱ء

محترم و مکرم جسوال صاحب

السلام علیکم:۔

گذشتہ ماہ کی ۱۷ تاریخ کو جو محبت نامہ آپ نے حوالہ ڈاک کیا تھا وہ کچھ عرصہ قبل ملا تھا۔ مگر بوجوہ جواب دینے میں تاخیر ہوئی جس کے لئے معذرت کا طلب گار ہوں۔ میری جانب سے خیریت کی اطلاع ملنے میں تاخیر پر آپ اور دیگر دوست احباب کو جو تشویش ہوتی ہے وہ نہ صرف قابلِ فہم ہے بلکہ خلوص و محبت کے اس رشتے کی نمایاں علامت بھی ہے جو برسوں سے ہمارے درمیان قائم چلا آ رہا ہے اور جس کی آبیاری ہم سبھی خونِ جگر سے کرتے آئے ہیں۔ یقین کیجئے اس ضمن میں بعض اوقات میری جانب سے تاخیر ارادتاً نہیں بلکہ کوائف اسیری کی مجبوریوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ دوست احباب کے سبھی خطوط کا جواب دیا جائے اور اس سلسلے میں اب تک کوتاہی نہیں ہوئی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض اوقات میرے یہ جوابی خطوط راستے ہی میں غائب ہو جاتے ہیں اور اس طرح نامہ و پیام کے اس معصوم سلسلے میں ایک طرح کا تعطل پیدا ہو جاتا ہے۔ بہرحال بہ حالات موجودہ سوائے اس کے اور کیا کیا جاسکتا ہے کہ "what can not be cured must be endured" ☆۱ جس مرض کا کوئی علاج نہ ہو اس کو صبر کے ساتھ برداشت کرنے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا ہے۔ تاہم آپ یقین رکھئے کہ آپ سے وابستہ یادیں گردشِ ایام کی طویل ناساعدگیوں کے باوجود میرے ذہن و قلب میں تاہنوز تازہ ہیں

☆۱ "جس تکلیف کا علاج نہ ہو سکے اسے برداشت کرنا چاہیے۔"

اور ان کی تازگی میرے صبرو حوصلہ کی تقویت کے لئے ہمیشہ کی طرح سب سے بڑا باعث بنی رہے گی۔

میرے تئیں آپ نے جس وابستگی اور خلوص و محبت سے بھرپور جذبات کا اظہار کیا ہے یہ میرے لئے گراں بہا سرمایہ ہے۔ پبلک لائف میں کسی بھی انسان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی اعزاز یا سرمایہ افتخار نہیں ہوتا کہ ہم سفروں اور رفقاء کار سے اس کی وابستگی غرض مندی اور وقت کی مصلحتوں اور تقاضوں سے بے نیاز ہو کر شعوری ہم آہنگی' خلوص ووفا شعاری اور محبت و ایثار کی عظیم انسانی قدروں کی بنیادوں پر استوار ہو۔ آپ جیسے دوستوں کے دلوں کی گہرائیوں سے اٹھنے والی "بے ساختہ" دعائیں نہ صرف اس بے لوث انس و محبت کی زندہ علامتیں ہیں جس پر ہم بجا طور پر فخر کرسکتے ہیں بلکہ امتحان و آزمائش کے اس دور میں ہماری سرخروئی کے لئے رحمت ایزدی کو Invite کرنے کے لئے بھی کافی ہیں۔ یقین رکھئے جہاں عزائم جواں' حوصلے بلند اور جذبۂ عمل موجود ہو وہاں لبوں پر آنیوالی دعائیں دراصل ان امنگوں اور تمناؤں کی آئینہ دار ہوتی ہیں جنھوں نے ہمیشہ انسانی تحریک و عمل کی نہ صرف تزئین و آرائش کی ہے بلکہ رسائی منزل کے لئے سامان بھی فراہم کیا ہے۔ پس آپ دعاؤں کے اس سلسلے کو جاری رکھئے تاکہ رحمت ایزدی جوش میں آئے اور مشکلوں کا یہ دور جلدی آسان ہو جائے۔ آمین

میری صحت بفضل ایزدی بالکل ٹھیک ہے احوال و کوائف اسیری جوں کے توں ہیں۔ اس لئے صبرو شکر کیساتھ وقت گزاری کا عمل جاری ہے۔ کچھ عرصہ قبل مجھے وارڈ نمبر۱۸ سے وارڈ نمبر۱۶ میں منتقل کر دیا گیا ہے جسے جیل کی زبان میں "پھانسی کوٹھی" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس سے یہ فرق ضرور ہوا ہے کہ پہلے تنہائی تھی اور اب کچھ ساتھی قیدیوں سے ملنے جلنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور اس طرح وقت قدرے "مصروفیت سے کٹ" رہا ہے۔ آئندہ خط لکھتے وقت Ward NO-16 کا حوالہ نہ بھولئے گا۔

میری جانب سے آپ کو اور آپ کی وساطت سے سبھی دوست احباب کو پرخلوص سلام۔ امید ہے کہ آپ اپنے احوال و کوائف سے گاہے گاہے مطلع کرتے رہیں گے۔

والسلام---- آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد مقبول بٹ

محمد عارف کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دھلی

۲۰ / جون ۱۹۸۱ء

عزیزم محمد عارف صاحب

السلام علیکم:-

آپ کا خط مورخہ ۲ جون موصول ہوا۔ بس یوں سمجھئے کہ دل پر ایک بجلی سی گر گئی۔ مرحوم صوفی محمد زمان صاحب جنہیں مرحوم کہتے ہوئے دل کو دھکا سا لگتا ہے کی وفات حسرت آیات پر جتنے بھی آنسو گرائے جائیں کم ہیں۔ [☆1] خلوص و وفا کے اس عظیم پیکر کی تصویر آنکھوں کے سامنے یوں آ رہی ہے جیسے ابھی ابھی وہ مجھ سے ہم کلام ہوں۔ اس عالمِ فانی میں کسی بھی ذی روح کو موت سے مفر نہیں۔ قدرت کے اس اٹل قانون کے سامنے سر تسلیم خم کئے بغیر چارہ ہی کیا ہے۔ مرحوم تو اس دنیا سے چلے گئے مگر ان سے وابستہ یادیں ایسی ہیں جنہیں تادمِ زیست فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مرحوم کی وفات میرے لئے ذاتی طور پر ایک عظیم صدمہ ہے۔ انہیں مجھ سے کس قدر محبت تھی اور میرے تئیں ان کے خلوص اور وفا شعاری کی گہرائی کس قدر عمیق تھی اس کا اندازہ شاید صرف مجھے ہی ہو سکتا ہے۔ یہ بات میرے لئے مزید صدمے کا باعث ہے کہ جبری فرقت کے اس عالم میں مرحوم صوفی صاحب کے سفر زندگی کے آخری لمحوں میں ان سے حق رفاقت نبھانے کے فرض کی ادائیگی سے محروم رہا۔ بقول کسی شاعر کے سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتا ہوں۔۔۔۔۔ ایک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی۔ [☆2]

☆1 صوفی محمد زمان ۲۵ مئی ۱۹۸۱ء کو فوت ہوئے وہ میرپور کے رہنے والے تھے۔ ان کا شمار محاذ رائے شماری کے انتہائی مخلص اور بے لوث کارکنوں میں ہوتا تھا۔

☆2 اصل مصرع یوں ہے۔ ع۔۔۔۔ اک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی۔

بایں ہمہ حزن و ملال کی اس المناک کیفیت کے باوجود جو اس مردِ حُر کی وفات سے ہماری صفوں میں فطری طور پر پیدا ہوگی۔ ہمیں یاس و نا امیدی کا شکار نہیں ہونا چاہیے اس لئے کہ مرحوم انسانوں کی اس قبیل سے تعلق رکھتے تھے جن کی زندگی کا ہر پہلو اور ہر اقدام نظریات و تصورات سے متحرک ہوتا ہے۔ یہ لوگ محض زندہ رہنے کے لئے نہیں بلکہ ان تصورات اور آدرشوں کی تکمیل کے لئے زندگی کو وقف کرتے ہیں جنہیں وہ بجا طور پر انسانوں کی پسندیدہ میراث قرار دیتے ہیں۔ یہ انہی مردانِ حق آگاہ کی سعی و کاوش کا نتیجہ ہے کہ انسانیت زندگی کے اصل مفہوم سے آشنا ہوتی ہے اور اصلاح و فلاح کا وہ عمل جاری رہتا ہے جس سے نہ صرف انسان اپنے پسندیدہ عزائم کی تکمیل کرتا ہے بلکہ زندگی کو حسن و خیر کی قدروں سے مزین کرکے قلب و روح کی طمانیت کا سامان بھی فراہم کرتا ہے۔ انسانوں کی اس قبیل کے بارے میں کلام الٰہی کا ارشاد ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکرO☆۱

یقیناً جو لوگ زندگی کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے وقف کردیتے ہیں ان سے بڑھ کر کسی اور کا اسوہ کیونکر قابلِ تقلید ہو سکتا ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اس راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ حق شناسی اور تکمیلِ مقاصد کے لئے جہدِ رواں کے ان چراغوں کی روشنی بجھنے نہ پائے جنہیں مرحوم صوفی صاحب اور ان کی قبیل کے لوگوں نے زندگی بھر خونِ جگر سے روشن رکھا۔ آمین۔ اس سے بڑھ کر ہماری اور کیا چاہت ہو سکتی ہے۔ مجھے خوشی ہوگی اگر مرحوم کے لواحقین اور دیگر متعلقین سب تک میرے جذبات تعزیت و ہمدردی اس المناک موت کے سلسلے میں پہنچادیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنتُ الفردوس میں اپنے برگزیدہ بندوں کے پہلو میں جگہ دے اور ان کے لواحقین کو صبر و تحمل اور یہ صدمہ جانکاہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میرے معاملے میں سرینگر انتظامیہ کی طرف سے صدرِ ہند کو کی جانے والی سفارش

☆۱ ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو ظاہر کی گئی ہو لوگوں (ہدایت و بھلائی) کے لئے تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے اور ایمان رکھتے ہو۔ اللہ پر۔ (آل عمران-۱۱۰)

کا جو ذکر آپ نے کیا ہے اس سے مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔[☆1] دراصل وہاں جس گروہ کو حادثات وقت نے اقتدار کی گدی پر متمکن کر دیا ہے۔اس سے خیر وفلاح کی توقع ہی عبث ہے۔ یہ محض وقتی ردعمل نہیں بلکہ میری Considered Opinion ہے۔ اس Opinion کی بنیاد وہ غیر جانبدار تجزیہ ہے جو میں کئی برسوں سے کرتا آیا ہوں مگر اس کی تفصیلات کا بیان اس مختصر سے ایروگرام میں ممکن نہیں۔ ان کوتاہ اندیشوں کو کون سمجھائے کہ شہادت ہے منزل و مقصود مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی۔ جہاں صرف مال غنیم اور کشور کشائی منزل ٹھہرے وہاں عدل و انصاف کی توقعات رکھنا خوش فہمی نہیں بلکہ نافہمی کی دلیل ہوتی ہیں۔ میں ان دونوں میں سے فی الوقت کسی کا بھی شکار نہیں ہوں۔

اس بات سے بالکل بے نیاز ہو کر کہ کون کیا سفارش کرتا ہے اور کون کیا فیصلہ دیتا ہے میں صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزم و ایمان کو قائم رکھنے کے لئے مجھے مقدور بھر توفیق عطاء فرمائے اور جس امتحان و آزمائش سے میں دوچار ہوں اس میں میرے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائے۔ مجھے یقین ہے کہ حق تعالےٰ کی رحمتیں جاری رہیں تو نارِ نمرود میں بھی گلزار پیدا ہوگا اور اگر اسے میری شہادت ہی منظور ہوئی تو یہ جام بھی ستونِ دار پر مردانہ وار مسکراتے ہوئے نوش کرنے میں مجھ تامل نہیں ہوگا۔[☆2] بس پریشانی اور گھبراہٹ کی اس سلسلے میں کوئی گنجائش نہیں۔ آپ بس میری ثابت قدمی کے لئے رب العزت کی بارگاہ میں دعا کیجئے۔ سبھی دوست احباب اور بالخصوص جناب امان اللہ خان کو میرا پرخلوص سلام ---- خدا حافظ ----- والسلام خیر اندیش

محمد مقبول بٹ

کچھ عرصہ قبل مجھے وارڈ نمبر۱۹ میں منتقل کردیا گیا ہے جسے جیل کی زبان میں "پھانسی کوٹھی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پہلے تنہائی تھی اب کچھ ساتھ والے قیدیوں سے مل بیٹھنے کا موقعہ ملتا ہے۔ آئندہ خط پر پتہ لکھتے وقت وارڈ نمبر۱۹ کا حوالہ نہ بھولئے گا۔ (محمد مقبول بٹ)

☆۱ سری نگر انتظامیہ نے صدرِ ہند کو لکھا تھا کہ مقبول بٹ کو رہا نہ کیا جائے بلکہ پھانسی دے دی جائے۔

☆۲ مقبول بٹ شہید" نے اپنا یہ عزم پورا کر دکھایا جب انہیں تختہ دار کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو انہوں نے چہرے پر مکمل سکون کے ساتھ مردانہ وار چل کر پھانسی کے پھندے کو چوم لیا۔

میاں غلام سرور کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی
۷/اگست ۱۹۸۱ء

برادرم میاں غلام سرور صاحب

السلام علیکم:-

آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۲۷ جولائی چند روز قبل موصول ہوا۔ یاد آوری کے لئے شکریہ۔ یقین کیجئے آپ کے محبت نامے اور اس سے منسلک اخباری تراشوں کو پڑھ کر میری خوشیاں عید کے اس مبارک موقع پر دو چند ہو گئیں۔ نہ صرف اس لئے کہ آپ نے جس خلوص و محبت کا اظہار کیا ہے وہ بجائے خود میرے لئے ایک دولت گراں مایہ ہے بلکہ اس لئے بھی کہ وطن کے اس حصے سے جس پر حوادث زمانہ نے حکومت ہند کو تسلط و غلبہ سے نوازا ہے کسی فرزندِ وطن کا میرے نام اس طویل دورِ اسیری میں یہ پہلا خط ہے۔ اگر آپ اسے محض خیال آفرینی قرار نہ دیں تو میں یہ کہوں گا کہ آپ کا خط میرے لئے وطن سے دور اس ویرانۂ زنداں میں حیاتِ تازہ کا ایک امید افزاء پیغام لے کر آیا ہے۔ اس کے مندرجات سے قطع نظر میرے لئے یہی کیا کم ہے کہ یہ خط وطن کی ان ہواؤں اور فضاؤں سے گزر کر میرے پاس پہنچا ہے جن کی تشنگی دارو رسن کی اس طویل آزمائش میں میرے لئے سوہانِ روح بنی ہوئی ہے۔

آپ غالباً اندازہ نہیں کر سکتے کہ ایک ایسے انسان کے دل و دماغ پر تب کیا گزرتی ہے جب اس کی خواہش کے علی الرغم محض حالات کے جبر کے تحت وطن اور اہل وطن سے اس کے ربط و تعلق کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہوں۔ درد و غم کا جو احساس اس حالت میں نشوونما پاتا ہے اس کی شدت ان لوگوں کے معاملے میں اور بھی بڑھ جاتی ہے جنہوں نے وطن اور اہل وطن کی عظمت و سربلندی اور آزادی کے خواب دیکھے ہوں اور

ان خوابوں کی تعبیر کے لئے خود کو وقف کر رکھا ہو۔ ایسے حالات میں درد کی یہ شدت ستم کشوں اور ستم زدوں کے باہمی تعلق کو بگاڑ کر کس حد تک لے جا سکتی ہے۔ اس کا اظہار مشہور فلسفی جین پال سارتر نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

"The end of communication is the beginning of all violence where communication stops, there remains only beating burning and hanging"☆1

ذاتی طور پر وطن اور اہلِ وطن سے متعلق اپنی امنگوں کی تکمیل کے لئے جدوجہد کے دوران سچائی کے منکرین کے ہاتھوں beating and burning کے مرحلوں میں سے گزر چکا ہوں۔ اس دوران میرے حوصلوں کو پست کرنے میں ناکام ہونے کے بعد اب ان کے پاس صرف hanging کا عمل باقی رہ گیا ہے۔ جسے وہ اب آزمانا چاہتے ہیں۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کی اس گھڑی میں میرے عزم و ایمان کو قائم رکھے اور مجھے صبر و استقامت سے نوازے تاکہ امتحان کے اس آخری مرحلے میں میرے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائے۔

آپ کا خلوص و محبت برحق مگر میں خود کو یقیناً اس تعریف و توصیف کا مستحق نہیں سمجھتا جس کا اظہار آپ نے اپنے نامہ گرامی میں کیا ہے۔ جبر و غلامی اور ظلم و عداوان کی علمبردار قوتوں سے معرکہ آراء ہونا انسانیت کا سب سے بڑا شرف ہے۔ دیوِ استبداد کی جمہوری قباؤں کو تار تار کرکے اس کی ☆2 Monstrosity کو ننگا کرنے کے لئے محکوموں کو منظم و صف آراء کرنے کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ بنی نوع انسان کی تاریخ۔ خود ہماری اپنی قومی تاریخ کا یہ روشن باب صدیوں سے منور ہے۔ تحریکِ آزادی کی شمع کو روشن رکھنے کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے پروانوں کی ہمارے یہاں نہ تو پہلے کمی رہی ہے اور نہ آئندہ رہے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس صبر آزما جدوجہد کے دوران کئی بار ایسے مرحلے آئے جب خارجی عوامل کے دباؤ کے تحت کچھ اپنے ہی لوگوں کی

☆1 رابطوں کے منقطع ہو جانے سے تشدد کی بنیاد پڑتی ہے جہاں رابطہ منقطع کیا گیا ہو وہاں مارنا، جلانا اور لٹکانا ہی باقی رہتا ہے۔

☆2 انسانیت سوز عمل۔

مصلحت کوشی یا پھر چند طالع آزماؤں کی ریشہ دوانیوں کے باعث ہیں۔

"یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا"

کی صورت حال کا سامنا رہا ہے۔ مگر قوموں کی زندگی میں ایسے عارضی دور آتے ہی رہتے ہیں۔ انہیں ہرگز دوام حاصل نہیں ہوسکتا۔ قوموں کی زندگی کی اصل روح وہ پائیدار اور تابندہ جذبہ آزادی ہے جو اس کے فرزندوں کو بقول رسول مقبول ﷺ "ہر جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کا اعلان" کرنے کا ولولہ عطا کرتا ہے اور وہ بھی اس یقین کے ساتھ کہ "یہ بہترین جہاد ہے۔" آزادی کے اس عظیم جذبے سے سرشار ہو کر ہمارے عوام نے جہاد آزادی کے جس دھارے کو وجود بخشا ہے میں نے خود کو کبھی بھی اس سے الگ نہیں سمجھا ہے اس دھارے کو رواں دواں رکھنے کے لئے اپنی بے بضاعتیوں اور کمزوریوں کے باوصف میں نے حتی المقدور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی سعی کی ہے جن سے عہدہ برآء ہونے کے لئے میرے شعور و ضمیر نے مجھے جھنجھوڑا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ اپنے ضمیر کی آواز پر حق و باطل کی اس کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ میں سچائی کی علمبردار قوتوں کے ساتھ خود کو identify ☆[1] کرتے ہیں انہیں نہ تو صلے کی طلب ہوتی ہے اور نہ ہی ستائش کی تمنا۔

حق و باطل کی اس صبر آزما جنگ میں جو اپنی نوعیت کے باعث ہمیشہ طویل المیعاد ہوتی ہے نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔ وقت کا گزر اور حالات کی ناسازگاری اس کی شدت کو متاثر تو کر سکتے ہیں مگر اس کو ختم (terminate) نہیں کر سکتے۔ اس جنگ کو اس کی تمام تر شدت کے ساتھ جاری رکھنا اہل حق کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اس فریضے کی ادائیگی میں تغافل ایک ایسی کیفیت پر منتج ہوتا ہے جس میں انسانیت نہ صرف اپنے وجود کے اصل مفہوم و مدعا سے ہی عاری ہو کر رہ جاتی ہے بلکہ زندگی کی تزئین و آرائش اور افراد و اقوام کو شرف و عروج کی معراج تک لے جانے کے لئے کی جانے والی ان مساعی جمیلہ کی رفتار بھی مدہم پڑ جاتی ہے جو ابتدائے آفرینش سے ہی انبیاء کی سنت، صلحا کا مسلک اور انسانی تاریخ کو نت نئے موڑ عطا کرنے والے عظیم انقلابیوں کا شعار رہا ہے۔ انسانیت کے

☆[1] شناخت

محسنوں کی اس قبیل میں شامل برگزیدہ ہستیوں کی ہمسری کا دعویٰ ہمارے لئے چھوٹا منہ بڑی بات کے مترادف ہوگا۔ مگر اتنا ضروری ہے کہ اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود ہم ان کے اسوہ کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنا سکتے ہیں اور جب تک ظلم و ستم کی سیاہ رات کے سائے ہمارے اوپر منڈلاتے رہیں ستونِ دار پر سروں کے چراغ روشن کرتے چلیں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ شعور و ایمان کی پختگی کے ساتھ میدان جہدو عمل میں تواصوبالحق ☆۱ اور تواصوبالصبر ☆۲ کی عظیم روایات کے امین ہی انسانیت کو خسرو عدوان ☆۳ کے عبرتناک انجام سے بچا سکتے ہیں کیونکہ یہ مشیت ایزدی ہے۔ جہد و عمل میں یہ قدریں پلے بندھی ہوں تو کم من فیعۃ قلیلۃ غلبت علی کثیرۃ ☆۴ کا اعجاز اپنی تمام تابناکیوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوکر اہلِ حق کو سرخروئی کی منزلوں سے ہمکنار کرتا ہے۔ دعا کیجئے کہ خدائے عظیم ہمیں اہل حق کی اسی قبیل میں شمولیت کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ خط قدرے طویل ہوگیا ہے اور ممکن ہے جذبات اور خیالات کی رو میں جو کچھ تحریر کرچکا ہوں اس سے آپ بور ہی ہوئے ہوں مگر آپ سمجھ سکتے ہیں اس زنداں خانے میں سوائے جذبات و خیالات کے میرے پاس اور سوغات ہی کیا ہے جو کسی بھی یاد کرنے والے کو پیش کی جاسکے۔ ضروری نہیں آپ کو یہ سوغات پسند ہی آئے مگر میرے حقِ اظہار کا احترام آپ کو یقیناً ہوگا اس لئے کہ یہ احترام ہی انسانوں کی روشن خیالی (Enlightment) کی سب سے بڑی علامت ہے۔

آپ نے میری سزا میں تخفیف کرانے کے لئے نجی طور پر کوشاں ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ان کوششوں کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں آپ کی ان مساعی کی بنیاد یہ مفروضہ

☆۱ "جو ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے" (سورہ عصر)

☆۲ "جو ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے" (سورہ عصر)

☆۳ نقصان اور خالص ظلم---- مقبول بٹ شہید نے قرآن حکیم کی سورہ عصر سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حق کو قبول کرنا اور اس راہ میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا دونوں باتیں داعیان حق کے لئے ضروری ہیں اور یہی لوگ انسانیت کو عبرتناک انجام سے بچا سکتے ہیں۔

☆۴ "کتنی ہی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غلبہ حاصل کرگئیں" (القرآن)

ہے کہ جن "جرائم" کا مجھے قصور وار گردانا گیا ہے ان کا ارتکاب میرے سیاسی عقائد کا نتیجہ تھا۔ یہ "جرائم" کیا تھے؟ ان کی تحقیقات کیسے ہوئی؟ انہیں بنیاد بنا کر میرے خلاف کن حالات میں اور کس نوعیت کا "مقدمہ" قائم کیا گیا؟ اس "مقدمے" کے نام پر قانون و انصاف کی دھجیاں کس طرح اڑائی گئیں اور اس پورے ناٹک میں کن کن لوگوں نے کیا کیا رول ادا کیا؟ اور اس کے نتیجے میں "سزا" کے نام پر مجھے صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے کیا کیا ریشہ دوانیاں ہوئیں؟ یہ سب فی الوقت ہمارے عوام کے لئے ایک mystery☆ ہیں۔

اس داستان کو بیان کرنے کے لئے ایک کتاب درکار ہے اور یہ مختصر سا خط اس کی تفصیل کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ وہ وقت ضرور آئے گا جب میں اپنے عوام کی عدالت میں اس نام نہاد مقدمے کی ساری حقیقت بیان کرنے کے قابل ہو سکوں گا۔ اس عدالت کا جس کا ابھی مجھے انتظار ہے اس ضمن میں فیصلہ صحیح اور معقول ہو گا۔ فی الحال میں صرف اس قدر کہوں گا کہ اگر مقامی انتظامیہ سمجھتی ہے کہ اس نام نہاد مقدمے میں قانون و انصاف کے سبھی تقاضوں کو پورا کیا گیا ہے تو وہ اس کی ساری کارروائی کو منظر عام پر کیوں نہیں لاتی۔ اس "مقدمے" کی فائلوں کو کسی کنواری لڑکی کے پیٹ میں موجود ناجائز حمل کی طرح عوام سے کیوں پوشیدہ رکھا جا رہا ہے۔

آپ کے خط سے منسلک اخباری تراشوں کو پڑھ کر مجھے اس صدائے احتجاج کا اندازہ ہوا ہے جو میری "سزا" پر مجوزہ عمل درآمد کے خلاف عوامی سطح پر بلند کی گئی ہے۔ اس کے لئے میں ان سبھی عوامی راہنماؤں، سرکردہ شخصیتوں۔ اداروں اور ان سے وابستہ کارکنوں کا ممنونِ احسان ہوں جو اس سلسلے میں پیش پیش رہے ہیں۔ ان سب تک اظہار تشکر کا میرا پیغام ضرور پہنچا دیجئے گا۔

یہاں میں اس طویل خط پر اظہار رائے ضروری سمجھتا ہوں جو سری نگر ٹائمز میں اسی اخبار کے ایک سابق شمارے میں آپ سے متعلق اس اخبار کے مدیر محترم کے ریمارکس کے جواب میں آپ کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ آپ نے ایڈیٹر موصوف کے ان ریمارکس پر دکھ اور افسوس کا اظہار کیا ہے۔ آپ کے خط کی ہر سطر درد میں ڈوبی ہوئی

☆۱ معمہ یا راز

محسوس ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں بصد احترام یہ عرض کروں گا کہ میرے معاملے میں آپ کے نجی احساسات اور مساعی اپنی جگہ برحق اور ان کے لئے میں خلوص دل سے آپ کا شکر گزار ہوں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس سارے معاملے کا سب سے اہم پہلو یعنی اس کا پبلک پہلو آپ کی نظروں سے اوجھل رہا ہے۔ اس قسم کے معاملات کے پبلک پہلو کو دیدہ و دانستہ نظرانداز کرنے کی آپ پر تہمت تو نہیں لگائی جاسکتی مگر جیسا کہ آپ نے تحریر کیا ہے آپ کی اپنی صوابدید کے مطابق اس سلسلے میں خاموشی کے ساتھ کام کرنے کو آپ نے زیادہ موزوں سمجھا ہے۔ ایک پبلک ورکر ہونے کے حوالے سے اگر ایڈیٹر موصوف اس سلسلے میں آپ سے گلہ مند ہیں اور وہ اس کا اظہار کرتے ہیں تو آپ کو رنجیدہ خاطر نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی دل میں ملال کو جگہ دینی چاہئے اس لئے کہ ہر اس شخص سے جو پبلک ورکر ہونے کا مدعی ہو یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ ظلم اور ناانصافی کے خلاف کھلے بندوں اور عوامی سطح پر صدائے احتجاج بلند کرے۔ پس اس معاملے میں فراخدلی کا مظاہرہ کیجئے۔

میری صحت بفضلِ ایزدی بالکل ٹھیک ہے اور سزائے موت کی اس کوٹھڑی میں جسے قیدیوں کی زبان میں "پھانسی کوٹھی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جہاں مجھے اس برس مئی کے آخری ہفتے میں منتقل کیا گیا تھا' لحاتِ اسیری یا یوں کہئے لحاتِ زندگی صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ چونکہ مجھے تاحال اس سکیورٹی وارڈ میں واپس نہیں بھیجا گیا جس میں مجھے گذشتہ پانچ برس سے مقید رکھا گیا تھا اس لئے گمان غالب یہی ہے کہ سرکار نے میری "سزا" پر عمل درآمد کے فیصلے پر تاہنوز نظر ثانی نہیں کی ہے۔ اس لئے حالات جوں کے توں ہیں۔ دیکھئے اب کے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے--- آخر میں ایک بار پھر آپ کی یاد آوری کا شکریہ۔ مجھے امید ہے کہ مراسلت کا یہ سلسلہ جو آپ نے رسمی شناسائی نہ ہونے کے باوجود شروع کیا ہے آئندہ بھی جاری رہے گا اور آپ گاہے گاہے مجھے یاد کرنے کی تکلیف ضروری کیا کریں گے۔ آپ کو اور آپ کی وساطت سے سبھی اہل وطن کو میرا خلوص بھرا سلام۔

فقط آپ کی دعاؤں کا طلبگار

محمد مقبول بٹ

ملک غلام سرور کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی
۱۵ / اگست ۱۹۸۱ء

محترم غلام سرور صاحب

السلام علیکم:-

امید ہے کہ آپ اور دیگر بھی دوست احباب خیریت سے ہوں گے۔ آپ کا خط مورخہ ۲۳ جون اور برادرم امان صاحب کا نوازش نامہ مورخہ ۲۹ جون عید الفطر کی ساعت سعید پر ایک ساتھ ملے۔ آپ حضرات کا یاد آوری کے لئے بہت بہت شکریہ۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے کاروبار کو ترقی دے اور جن مقاصد کی حصول یابی کے لئے آپ دیار غیر میں مصروف جہد ہیں ان کی تکمیل کے لئے وہ ذات باری آپ کو زیادہ سے زیادہ توفیق واستطاعت سے نوازے۔

آپ نے سپریم کورٹ میں اپنی "سزا" کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کے بارے میں جو مشورہ دیا ہے اس کی صورت یہی ہے کہ اس سلسلے میں ایک رٹ درخواست دائر کردی جائے۔ یہ تو میں یقین کے ساتھ کہہ نہیں سکتا کہ اس کا فیصلہ کیا برآمد ہوگا مگر میرا خیال ہے کہ کوشش Worth Trying ☆[1] ہے۔ میرے برادرِ اصغر جولائی کے وسط میں مجھ سے ملاقات کرنے آئے تھے۔ ان کے ساتھ بھی اس موضوع پر تبادلۂ خیال ہوا تھا۔ میں نے ان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں سرینگر میں اپنے چند وکیل دوستوں سے مل کر ابتدائی کارروائی کریں۔ مگر آپ کو کیا بتایا جائے کہ ابھی تک میرا دستخط شدہ وکالت نامہ بھی ان تک نہیں پہنچ پایا ہے۔

☆۱ "انتہائی کوشش"

خیر آمدم بر سرِ مطلب۔ آپ نے سپریم کورٹ میں رٹ دائر کرنے کے لئے اخراجات کو پورا کرنے کی جو پیشکش کی ہے اس کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں۔ آپ کو یہ تو معلوم ہو گا ہی کہ دنیا کے اس خطّے میں سوائے انسان کے ہر شئے گرانی کی انتہاؤں کو چھو رہی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس قانونی کارروائی پر جس کا ہم سوچ رہے ہیں ۱۵ اور ۲۰ ہزار کے درمیان خرچہ اٹھے گا۔ یہاں کی سپریم کورٹ کا کوئی بھی سینئر وکیل ۳ ہزار سے کم فی پیشی وصول نہیں کرتا۔ پیپر ورک اور اسسٹنٹوں کے خرچے الگ ہوتے ہیں۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ اگر سپریم کورٹ یا صدر ہند نے میری موجودہ "سزا" میں کٹوتی کر بھی لی تو اس کے بعد سرینگر میں میرے خلاف Behind the back[☆1] جو مقدمہ برسوں سے زیرِ سماعت ہے اس کو بھی عدالت عالیہ میں چیلنج کرنا ہو گا۔ اس پر بھی یقیناً اچھا خاصا خرچہ اٹھے گا۔ آئندہ کی اس قانونی لڑائی کے لئے جس کا میں نے اشارتاً ذکر کیا ہے اچھے وکلاء کی خدمات درکار ہوں گی۔ اس لئے اگر آپ سے ممکن ہو تو فی الحال آپ کم سے کم ۲۰ ہزار روپے کا انتظام کر کے یا تو برادرم غلام نبی کے نام پر بھیج دیں اور اگر کسی وجہ سے ایسا ممکن نہیں تو جیل کے پتے پر میرے نام بذریعہ بنک ڈرافٹ یا جو بھی آپ مناسب صورت سمجھیں ارسال کر دیں۔ آپ کی طرف سے جواب ملتے ہی اس سلسلے میں مزید اقدام ممکن ہو گا۔ اگر آپ کے ذہن میں کوئی اور طریقہ کار مناسب ہے تو اس سے مجھے مطلع کریں۔ اس لئے کہ باہر کی دنیا سے میرا ربط و تعلق بس واجبی ہے۔

برادرم امان صاحب نے گذشتہ دسمبر میں لکھے گئے کسی طویل خط کا ذکر کیا ہے۔ یہ مجھے تاہنوز نہیں ملا ہے اور نہ اب اس کے ملنے کی توقع ہے۔ نمبردار صاحب کی وفات پر میری جانب سے ان کے سبھی لواحقین اور پسماندگان سے اظہارِ تعزیت کیجئے گا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر و شکر کی نعمت سے نوازے۔ والدہ محترمہ کو میرا سلام اور پروین بھابی کے لئے بھی سلام۔ ننھی منی کے لئے میری جانب سے بہت بہت پیار۔

میری صحت بالکل ٹھیک ہے۔ تاہنوز میں وارڈ نمبر ۱۶ میں ہی مقید ہوں۔ گمان غالب

☆1 "پس پردہ"

یہی ہے کہ میری "سزا" پر مجوزہ عملدر آمد کے خلاف جو صدائے احتجاج بلند ہوئی ہے اس کے پیش نظر فی الحال اس معاملے کو التوا میں ڈال دیا گیا ہے۔ آگے جو اللہ کو منظور ہوگا۔ میں نے خود کو ذہنی طور پر ہر قسم کی ☆۱ Situation کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ اور آپ سے اس دعا کا متمنی ہوں کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کے ان آخری مرحلوں میں میرے صبرو ثبات کو قائم رکھے اور اس سلسلے میں مجھ سے کوئی لغزش نہ ہونے پائے۔

والسلام
آپ کی دعاؤں کا طالب
محمد مقبول بٹ

☆۱ "صورت حال"

راجہ محمد مظفر خان کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی
۱۵/ اگست ۱۹۸۱ء

عزیزم مظفر راجہ سلمہ

سلام مسنون:

آپ کا نامۂ محبت مورخہ ۲۷ جولائی چند روز قبل عیدالفطر کی ساعتِ سعید کے موقع پر موصول ہوا۔ یاد آوری کے لئے شکریہ۔

میرے بارے میں آپ کی پریشانی اور تشویش برحق مگر آپ کو یہ حقیقت کبھی بھی نظرانداز نہیں کرنی چاہئے کہ جس منزل کی طرف ہمارا یہ مختصر سا کارواں جادۂ پیما ہے اس کی حصولیابی ایثار و قربانی کی اعلیٰ و ارفع روایتوں کی متقاضی ہے۔ حق و باطل کی اس کشمکش میں جس میں ہم نے خود کو کامل شعور و تدبر کے ساتھ صف آراء کر رکھا ہے' جانوں کا نذرانہ پیش کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ لیلائے آزادی کے لئے مجنوں کا جنون اتنا ہی ضروری ہے جتنا حفظِ جاں کے لئے گردشِ خون۔ انسانیت کو بھسم کرنے والے ظلم و جبر کے انگاروں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے آتشِ نمرود میں بے خطر کودنے کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ صلیب کو بوسہ دیئے بغیر انجیل آگہی کے اوراق کھلنے پائیں۔ وہ لوگ جو سچائی اور شرف انسانی کا شعور رکھنے کے باوجود جادۂ حق میں پیش آنے والی صعوبتوں اور آزمائشوں سے گھبرا جاتے ہیں۔ جن کے قدم اس راہ عمل میں ڈگمگا جاتے ہیں۔ دراصل اس لگن اور عشق کی رسوائی کا سامان فراہم کرتے ہیں جس کے وہ بظاہر مدعی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو خدا کی کتاب میں مغضوب علیھم

والضالین ☆۱ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے کسی کو بھی انسانوں کے اس گروہ میں شامل نہ کرے۔ آمین۔

حق شناسی اور خدا پرستی کا دعویٰ رکھنے والوں کے لئے بہترین زندگی وہ ہے جو سچائی کا شعور حاصل کرنے اور اس شعور کی روشنی میں انفرادی و اجتماعی زندگی کی تزئین و آرائش میں صرف ہو اور بہترین موت وہ ہے جو ظلم و جہالت سے انسانوں کو نجات دلانے کے لئے کی جانے والی جنگ میں پیش آئے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ بسترِ مرگ پر ایڑیاں رگڑتے رگڑتے مرنے کی بجائے یہ بدرجہا بہتر ہے کہ انسان سچائی کے منکرین سے برسرپیکار ہوتے ہوئے اپنے مقاصد زندگی کے لئے تختۂ دار پر جان کا نذرانہ پیش کرے۔ جہاں فکر کا یہ انداز ہو وہاں نہ تو صلے کی طلب ہوتی ہے اور نہ ہی ستائش کی تمنا۔ میرے لئے یہی کیا کم ہے کہ آپ اور آپ جیسے دیگر دوستوں' عزیزوں اور ساتھیوں کا بے پایاں خلوص اور لازوال محبت نفسانفسی کے اس عالم میں بھی مجھے حاصل ہے۔ اس امتیاز کے ہوتے ہوئے اور کس چیز کی تمنا کی جاسکتی ہے؟۔

آپ نے میرے اخراجات ڈاک کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں لہٰذا اس بارے میں فکر مند نہ ہو جائیں۔ چونکہ آپ نے خدا کا واسطہ دیا ہے ☆۲ اس لئے اس ضمن میں طریقہ کار کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہو گیا ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ آپ جیل خانے میں میرے پتے پر سپرنٹنڈنٹ جیل کی معرفت بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر کے ذریعے جب چاہیں اور جتنا چاہیں پیسہ بھیج سکتے ہیں۔ ڈرافٹ ایسے بنک کے ذریعے آنا چاہئے جس کی یا تو دلی میں شاخ ہو یا کسی دوسرے بنک کے ساتھ اس کا کاروباری لین دین ہو۔

بفضل ایزدی میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور تادمِ تحریر میں بدستور وارڈ نمبر ۱۶ ہی

☆۱ "جن پر خدا کا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے" قرآن حکیم میں غیرالمغضوب علیھم والاالضالین کے الفاظ آئے ہیں جہاں ایمان والوں کو مغضوب اور ضالین کے راستے سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

☆۲ راجہ مظفر خاں نے بٹ صاحب کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھا تھا کہ اگر آپ کو پیسے بھیجنا ہوں تو طریقہ کار کیا ہوگا۔ اسی لئے بٹ صاحب نے طریقہ کار کی وضاحت کی ہے۔

میں مقید ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری "سزا" پر مجوزہ عمل درآمد کے خلاف وطن کے طول و عرض میں بلند کی جانے والی صدائے احتجاج کے پیش نظر "وقت کے حاکموں" نے فی الحال اس معاملے کو التوا میں ڈالنا موزوں سمجھا ہے۔ دیکھئے آگے یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کے ان آخری مرحلوں میں مجھے صبر و استقامت کی دولت سے نوازے اور اس قدر توفیق عطا فرمائے کہ میرے پائے ثبات میں کسی قسم کی لغزش نہ آنے پائے۔

والسلام
آپ کے خلوص و محبت کا طلبگار
محمد مقبول بٹ

رشید ظفر کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی
۱۵/ اگست ۱۹۸۱ء

محترم رشید ظفر صاحب

السلام علیکم:-

رسمی شناسائی کے تکلف کو بر طرف رکھ کر آپ نے جس خلوص و محبت کے ساتھ یاد کیا ہے اس کے لیے آپ کا بہت بہت شکریہ- جذبات خیر اور عقیدت سے لبریز آپ کا نامۂ گرامی میرے لیے زنداں خانے کی اس بے کیف ویرانی میں عزم و حوصلے کی تقویت کا باعث بنا ہے- آپ نے خموشی اور بے زبانی کے میڈیم سے گلہائے وفا کا جو تحفہ مجھے بھیجا ہے اس کی مہک نے جیلخانے کی اس کال کوٹھڑی کو اس قدر معطر کر دیا ہے کہ مسرت و انبساط سے سر جھومنے لگا ہے۔[☆1]

حق تو یہ ہے کہ میں آپ کی وضعداری سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا- میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کا کیا مقام ہو سکتا ہے کہ حالات کی ناساعدگی اور وقت کا جبر نہ صرف یہ کہ وفا کی ان شمعوں[☆2] کو بجھانے میں ناکام رہے ہیں جنھیں ہم نے خون دل سے روشن کیا ہے بلکہ ان جلتی شمعوں سے اور بھی کتنے ہی چراغ روشن ہوئے ہیں- یہ سلسلہ

☆1 رشید ظفر راجہ مظفر خاں کے ہمراہ جدہ میں مقیم تھے- راجہ صاحب نے انھیں بٹ صاحب کی شخصیت سے متعارف کروایا- رشید صاحب نے بٹ صاحب کو جو خط لکھا اس کے جواب میں بٹ صاحب نے یہ خط لکھا- بٹ صاحب کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ رشید ظفر کا خط جذبات سے بھرپور ہوگا- کاغذ کی عدم دستیابی کے پیش نظر یہ خط راجہ مظفر کے نام لکھے گئے 18-8-81 کے ایروگرام کی پشت پر لکھا گیا ہے۔

☆2 وفا کی شمعوں سے مراد بچے تحریکی ساتھی ہیں۔

جاری رہا تو انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب ان چراغوں کی روشنی سارے وطن کو منور کرے گی اور "تیجتا" وہ کیفیت برپا ہوگی جسے ہم بجا طور پر آزادی کا چراغاں کہہ سکیں گے۔
مجھے امید ہے کہ آپ گاہے گاہے یاد کرتے رہیں گے اور کسرِ نفسی کی وہ کیفیت جو اس سلسلے میں آپ کے آڑے آتی رہتی ہے۔ اب کے ختم ہو جائے گی۔

والسلام
طالبِ دعا
محمد مقبول بٹ

ملک محمد اصغر کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی
۱۸ / اگست ۱۹۸۱ء

برادرم ملک محمد اصغر صاحب

السلام علیکم:-

۲۲ جون کو جو خط آپ نے حوالہ ڈاک کیا تھا وہ سفر کی منزلیں طے کر کے اب کی عیدالفطر کے مبارک موقعہ پر مجھے ملا- یاد آوری کیلئے شکریہ-

یہ جان کر قدرے تسلی ہوئی کہ اب کے آپ نے مناسب وقفوں پر نامہ و پیام کے اس سلسلے کو جاری رکھنے کا عزم کیا ہے- میں اس احساس کو سمجھنے سے قاصر ہوں جو اس سلسلے میں آپ کے آڑے آتا رہا ہے اور آپ طویل وقفوں تک خاموش ہوتے رہے- بہرحال دیر آید درست آید-

مرحوم صوفی محمد زمان صاحب کے انتقال پر ملال کی خبر پہلے ہی مل چکی تھی- اس منحوس خبر سے مجھے کس قدر دکھ اور افسوس ہوا ہے اس کا بیان کاغذ کے اس پرزے پر ممکن نہیں- نہ صرف اس لئے کہ وہ ہمارے کاروانِ آزادی کے ایک ممتاز راہنما تھے بلکہ بحیثیت ایک انسان کے قدرت نے انہیں خلوص' وفاشعاری اور امتحان و آزمائش کے دوران صبر و استقامت کے عظیم اوصاف سے لیس ہو کر ثابت قدم رہنے کی جن نعمتوں سے نوازا تھا وہ صرف مرحوم کا حصہ تھیں-

مرحوم کی وفات سے ہماری جدوجہد کی تاریخ میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کو پُر کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے- دعا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے-

ہمارے لئے مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ان

مقاصد اور نظریات کیلئے برابر مصروف جہد رہیں جن کے لئے مرحوم نے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی اور اس عمل میں خلوص و وفا کی ان قدروں کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں جو مرحوم کو بہت عزیز رہی ہیں- دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان خوابوں کی تعبیر کے لئے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو مرحوم زندگی بھر دیکھتے رہے- ان تشنہ تکمیل آرزوں اور امنگوں کے لئے منکرین حق و صداقت سے متواتر برسرِ پیکار رہ کر ہی ہم لوگ نہ صرف مرحوم صوفی صاحب بلکہ ان سبھی شہدائے وطن کی مضطرب روحوں کے لئے سامان تسکین فراہم کرسکتے ہیں جنہیں وہ اپنے ساتھ لے کر اس دارِ فانی سے اگلے جہان کو سدھارے ہیں- ایصالِ ثواب کی اس سے بہتر صورت اور کیا ہو سکتی ہے؟

آپ نے برادرم ملک محمد اعجاز صاحب [☆1] کا ذکر کیا ہے- ان تک میرا پُرخلوص سلام ضرور پہنچا دیجئے گا- اگلے خط میں ان کے علاج اور شفایابی کے بارے میں قدرے تفصیل سے لکھئے گا- ان کو جس بیماری کا سامنا ہے اس سے مجھے ان کے بارے میں بڑی تشویش رہتی ہے- مگر اتنی دور سوائے دعا کے میں ان کے لئے اور کیا کرسکتا ہوں- امید ہے کہ اب تک انہیں کافی افاقہ ہوا ہوگا-

یہ جان کر دکھ ہوا کہ محترم میر قیوم صاحب [☆2] بھی کسی عارضہ میں مبتلا رہے ہیں- گو ان سے میری خط و کتابت نہیں تاہم ان سے وابستہ یادیں اب بھی میرے ذہن میں تازہ ہیں- میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی امان میں رکھے- مجھے خوشی ہوگی اگر آپ میر صاحب اور دیگر سبھی بزرگ دوست احباب کی صحت اور خیریت کے بارے میں مجھے تفصیل سے اطلاع دیں- ہمارے یہاں تنظیم' اتحاد اور مقاصد سے بے لوث لگن کی جو شمعیں روشن ہیں ان کو معرضِ وجود میں لانے کے لئے ان بزرگ دوستوں کا کردار نہ صرف ہماری تاریخ کا ایک سنہری باب ہے بلکہ ہم سب کیلئے ناقابلِ فراموش ہونے کے علاوہ قابلِ تقلید بھی ہے-

☆1 ملک محمد اعجاز کوٹلی والے-

☆2 میر عبدالقیوم محبِ وطن کشمیری تھے- گنگا ہائی جیکنگ کیس میں زیرِ حراست رہے اور تشدد کا نشانہ بنے- کراچی میں رہائش پذیر تھے- وفات پا چکے ہیں-

میری صحت بفضل ایزدی بالکل ٹھیک ہے۔ باقی سبھی حالات و کوائف جوں کے توں ہیں۔ میں بدستور وارڈ نمبر۱۶ یعنی "پھانسی کوٹھی" میں مقید ہوں۔ اللہ کے فضل سے مجھے ذہنی طور پر کوئی پریشانی نہیں ہے کیونکہ ایک خدا پرست انسان کی حیثیت سے میرا ایمان ہے کہ بہترین زندگی وہ ہے جو باطل کے مقابلے میں غلبۂ حق کی جدوجہد میں صرف کی جائے اور بہترین قوت وہ ہے جو اس راہِ عمل میں دوران جہاد پیش آئے۔ پس اس ضمن میں کسی حزن و ملال کی قطعاً گنجائش نہیں۔ آپ صرف اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھئے گا۔

اب کی بار کوٹلی سے متعدد دوستوں اور رفیقوں کی جانب سے عید کارڈ ملے ہیں۔ ان سب کو الگ الگ جواب دینا تو خیر مشکل ہے مگر جناب مبارک بسمل کی معرفت میں انہیں الگ طور پر مشترکہ جواب لکھ رہا ہوں۔ [☆۱] امید ہے کہ یہ دونوں خطوط ایک ساتھ کوٹلی پہنچیں گے۔ ویسے آپ بھی میری جانب سے ان سب کارکنوں کا شکریہ ضرور ادا کیجئے گا۔

والسلام

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد مقبول بٹ

نوٹ:۔ جن دوستوں اور رفیقوں نے عید کے مبارک موقعہ پر مجھے یاد کیا ہے اور جن کا شکریہ ادا کرنا مطلوب ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ مبارک علی بسمل' محمد عارف' رضا احمد راٹھور' انجم ندیم' ایم اشفاق انجم' محمد مقصود (ناڑ) محمد رزاق عاصی (ناڑ) اور "ایک کشمیری" جنہوں نے ہاتھ سے پینٹ کر کے تحفۂ عید بھیجا ہے۔

☆۱ افسوس مبارک بسمل کے نام مقبول بٹ شہید کا خط دستیاب نہ ہوسکا۔

عکسِ تحریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینٹرل جیل [illegible]
نئی دہلی ۱۸ اگست

برادرم ملک محمد اشرف صاحب

السلام علیکم۔ ۲۳ جون کو جو خط آپ نے حوالۂ ڈاک کیا تھا وہ مجھے مل گیا ہے۔ آپ کی خیر و عافیت
معلوم ہو کر [illegible] یاد آوری کا بے حد شکریہ۔ یہ جان کر بڑی تسلی ہوئی کہ آپ نے [illegible]
پڑھا۔ پیغام جو اس سلسلے کو جاری رکھنے کا عزم کیا ہے۔ [illegible] سے نام ہوں جو اس
سلسلے میں آپ کا [illegible] اور آپ حوصلہ و خلوص کے ساتھ [illegible] ہوتے رہے۔ [illegible]
مرحوم ... [illegible] انتقال پر ملال کی خبر پہلے ہی مل چکی تھی۔ اس منحوس خبر سے مجھے
کس قدر دکھ اور افسوس ہوا ہے اس کا بیان کرنا [illegible] بہت مشکل ہے۔ [illegible]
[illegible] آپ ان کے [illegible] سے [illegible] خلوص، وفاشعاری
اور ایثار و قربانی کے ساتھ [illegible] کو عظیم اوصاف سے [illegible] قدم قدم پہ [illegible]
[illegible] مرحوم کی ذات سے ہماری تحریک کی تاریخ میں جو خلا پیدا ہوا ہے
وہ [illegible] بھی [illegible] ہے۔ دعا ہے کہ خدا [illegible] مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے
اور ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے [illegible] مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے
[illegible] اور [illegible] مرحوم نے اپنی زندگی
وقف کر رکھی تھی [illegible] خلوص [illegible] کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنانا ہی جو مرحوم کو
سچا خراج ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان خوابوں کی تعبیر کیلئے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے
[illegible] مرحوم [illegible] اور [illegible] کیلئے [illegible]
سے [illegible] مرحوم [illegible] شہید [illegible] وطن کی [illegible]
[illegible] کیلئے [illegible] مرحوم [illegible] دار فانی سے اٹھ گئے
[illegible] ہیں۔ [illegible] اور کیا ہو سکتا ہے۔

آپ نے برادرم ملک محمد اعجاز صاحب کا ذکر کیا ہے۔ ان تک میرا پُرخلوص سلام ضرور پہنچا دیجئے۔
[illegible] علاوہ [illegible] تفصیل سے لکھتا [illegible]
[illegible] دعا کیجئے
[illegible] امید ہے کہ [illegible] جان کر [illegible]
[illegible] مرحوم [illegible] میں مبتلا رہے ہیں۔ [illegible]
[illegible] میرے ذہن میں تازہ ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں
اپنی امان میں رکھے۔ مجھے خوشی ہوئی اگر آپ [illegible] دوست احباب کی
[illegible] سے اطلاع دیں۔ ہمارے یہاں تنظیم، اتحاد اور
[illegible] کیلئے ان [illegible]
[illegible] ہماری تاریخ کا [illegible] ہے [illegible] کیلئے [illegible]
[illegible]

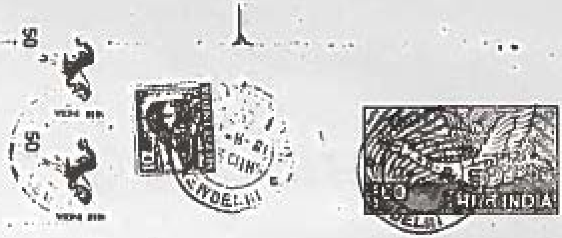

हवाई पत्र
Aerogramme

Mr. MOHD ASGHAR MALIK
B.A.L.L.B. ADVOCATE
KOTLI
AZAD KASHMIR
PAKISTAN

Second fold

Sender's Name and Address

Mohd Maqbool Butt,
Ward No. 16, Central Jail,
New Delhi - 64 INDIA.

No Enclosures Allowed

ڈاکٹر فاروق حیدر کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سینٹرل جیل نئی دہلی

۲۵ / اگست ۱۹۸۱ء

برادرم فاروق حیدر صاحب

السلام علیکم:-

خاصے طویل وقفے کے بعد آپ کا نامہ محبت ملا اور وہ بھی عیدالفطر کے مبارک موقع پر، یوں آپ نے نہ صرف میری تشویش کو رفع کرنے کا سامان بہم کیا بلکہ مسرتوں کے اس تہوار کے موقع پر قید و بند کی صعوبتوں کے باوصف میرے لئے اطمینان و مسرت کے خوشگوار احساسات فراہم کئے۔ اس نوازش کے لئے آپ کا شکریہ۔

آپ نے اب کی بار اشعار کا جو گلدستہ ارسال کیا ہے اس کی مہک سے میری روح کو ایک نئی زندگی ملی ہے۔ قید خانے کی یہ زندگی بھی کیا عجیب ہے اس ماحول کی ویرانی کا احساس اس وقت اور بھی بڑھ جاتا ہے جب مدتوں بعد کسی دوست کی جانب سے لکھے گئے خط میں کسی اچھے شعر یا ادب پارے کا ذکر ہوتا ہے۔ برسوں گزرے کسی پائے کے ادیب یا شاعر کا کلام پڑھنے کو نہیں ملا اور نہ ہی اس دورِ اسیری کے دم آخر تک اس کی کوئی امید ہے۔ نام کے لئے اس جیل خانے میں ایک عدد لائبریری سروس بھی ہے مگر اس کے توسل سے مجھے اب تک سوائے چند مستثنیات کے کوئی بھی پائے کی کتاب حاصل نہ ہو سکی۔ بس کرائم فکشن پر مشتمل Trash ☆[1] کا ایک لامتناہی سلسلہ کتب ہے جو عام طور پر کچھ مغربی ممالک کی لائبریریوں سے بطور عطیہ اس جیل کی لائبریری کو حاصل ہوا ہے۔

☆[1] "فضول کتاب"

خط لکھتے وقت سوچ رہا تھا کہ جواباً آپ کو کیا ارسال کروں کہ ساتھ والے سیل میں ریڈیو ٹرانسسٹر پر کسی مغنی نے ساز کی لہروں پر ایک فلمی نغمہ چھیڑ دیا۔ کچھ اس کی نغمگی اور کچھ مغنی کی آواز کا جادو تھا کہ یہ دو بند یاد رہ گئے۔ سو انہیں آپ کی نذر کر رہا ہوں۔ ☆۱

میری محبت جواں رہی ہے　　سدا رہی ہے سدا رہے گی
جو آگ دل میں لگی ہوئی ہے　　یہی تو منزل کی روشنی ہے
نہ یہ بجھی ہے نہ یہ بجھے گی　　سدا رہی ہے سدا رہے گی
تمہارے پہلو میں گر مرے ہم　　تو موت کتنی حسین ہوگی
چتا میں جل کر بھی یاد تیری　　سدا رہی ہے سدا رہے گی

میری صحت بفضل ایزدی بالکل ٹھیک ہے۔ باقی سبھی معاملات جوں کے توں ہیں۔ گزشتہ دنوں میری "سزا" ☆۲ پر عملدر آمد کی خبر خاصی گرم تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ وطن میں اس مجوزہ فیصلے کے خلاف اٹھنے والی صدائے احتجاج کے پیش نظر مقدروں کی خدائی کا دعویٰ کرنے والوں نے اس کو معرض التواء میں ڈالنا ہی مناسب سمجھا ہے۔ یہ

☆۱ گیت کے مکمل بول ملاحظہ فرمائیں۔

میری محبت جواں رہے گی　　سدا رہی ہے سدا رہے گی
تڑپ تڑپ کر یہی کہے گی
سدا رہی ہے سدا رہے گی
نہ تم سا کوئی زمانے بھر میں　　تمہی کو چاہا میری نظر نے
تمہیں چنا ہے تمہیں چنیں گے
سدا رہی ہے سدا رہے گی
جو آگ دل میں لگی ہوئی ہے　　یہی تو منزل کی روشنی ہے
نہ یہ بجھی ہے نہ یہ بجھے گی
سدا رہی ہے سدا رہے گی
تمہارے پہلو میں گر مرے ہم　　تو موت کتنی حسین ہوگی
چتا میں جل کر بھی نہ مٹے گی
سدا رہی ہے سدا رہے گی

☆۲ سزائے موت

اونٹ آگے کس کروٹ بیٹھتا ہے اس کے متعلق دعوی کے ساتھ فی الحال کچھ کہنا مشکل ہے ویسے بھی سوائے "متاعِ درد" کے فقیروں کے اس قافلے کے پاس رکھا ہی کیا ہے۔ وقت کے رہزن ان پر ہزار ڈاکے کیوں نہ ڈالیں انہیں سوائے رسوائی کے اور مل ہی کیا سکتا ہے۔ یہ "متاعِ درد" تو ایسی دولت ہے کہ لٹ جانے کے باوجود اہل دل سے چھینی نہیں جاسکتی۔ یہ اسی متاع بے بہا کا اعجاز ہے کہ "ہزار دشت پڑنے" اور "لاکھ آفتاب ابھرنے" پر بھی نہ تو پلک پر نمی آتی ہے اور نہ ہی مسافروں کی جبینوں پر گرد کی تہیں جم جاتی ہیں۔ ☆۱ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سفرِ زندگی کے کسی بھی موڑ پر اور کسی بھی آزمائش کے دوران اس متاعِ گراں مایہ سے محروم نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ متاع چھن گئی تو سمجھ لیجئے زندگی ایک ایسے خسارے میں پڑ جائے گی جس کی تلافی دنیا ہی کیا آخرت میں بھی ناممکن ہوگی۔

اس بار عید کے موقع پر کئی دوست احباب کے خطوط ملے۔ ایک خط لندن سے امان صاحب نے بھی لکھا ہے۔ انہیں پہلے ہی جواب دے چکا ہوں۔ معلوم ہوا ہے اب کی بار آپ بھی سیرسپاٹے کی غرض سے یورپ جانے والے ہیں۔ اللہ کرے یہ خط آپ کو دیارِ غیر کے سفر کے آغاز سے قبل ہی مل جائے۔

امید کرتا ہوں کہ آپ آئندہ بھی مراسلت کا یہ سلسلہ جاری رکھیں گے۔ ایک عرصے سے محترم جسوال صاحب نے بھی یاد نہیں کیا ہے۔ مجھے خوشی ہوگی اگر آپ سبھی دوست احباب تک میرا سلام پہنچا دیں اور جواباً ان کی خیریت سے بھی مطلع کریں۔

آپ کے سبھی افراد خانہ کو میرا سلام' بچوں کے لئے بہت بہت پیار۔ خط کا جواب لکھنا نہ بھولئے گا---------- والسلام ----------- آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد مقبول بٹ

(نوٹ) جوابی عید مبارک ضرور قبول فرمایئے۔

☆۱ مقبول بٹ شہید نے اپنے ہی دو اشعار کو عبارت کا موضوع بنایا ہے اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

ہزار دشت پڑے لاکھ آفتاب ابھرے ۔ جبیں پہ گرد پلک پر نمی نہیں آئی
کہاں کہاں نہ لٹا قافلہ فقیروں کا ۔ متاعِ درد میں لیکن کمی نہیں آئی

میاں غلام سرور کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Tihar Jail Delhi

15-10-1981

My dear Mr Sarwar,

This is to acknowlege your telegraphic message of greetings on the occasion of Eid-u-Duha. Thank you very much for the kind remembrance and expression of love and good wishes. I cannot but appreciate your choice of remebering me on this auspicious occasio,which symbolises the offer of supreme sacrifice for ones faith and ideals. History certainly does not offer a better example then the one of prophet Ibrahim to idealise man's devotion and dedication to the cause, be cherishes as well as his perseverance, when on trial, in the persuit of his beliefs. Given our weaknesses, we may not rise to such levels, yet we can surely follow in the footsteps of such great man at least according to our capacities. This , I think is an obligation which no Conscientious person, least of all from amongst our people can afford to forgo, for;-

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لاالہٰ الا اللہ

Hope you are in the best of healt and spirits. Do remember me in your prayers please. The delivery of " detailed letter" is still awaited. My respects and goodwishes for you and all other friends and well wishers

Your sincerely

Mohd Maqbool Butt

Mohd Maqbool Butt

Ward No.16, Tihar Jail

New Delhi-64

P.s

I am in recipt of an Eid Greetings, Telegram from Mahaz-e-Azadi Anentnag. Since it does not mention the name of its sender, I fail to make out as to how it can be answered.

ڈاکٹر فاروق حیدر کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تہاڑ جیل نئی دہلی

۲۰ / جون ۱۹۸۲ء

برادرم فاروق حیدر صاحب

السلام علیکم:۔

آپ کا محبت نامہ مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۸۲ء مل گیا۔ ایک طویل عرصے کے بعد آپ کو اپنی خیریت سے آگاہ کرنے کے لئے یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔ یہ بات ہرگز نہیں کہ آپ کی یاد ذہن سے محو ہوگئی تھی۔ مگر اس دورِ اسیری کا کیا کیجئے جہاں خواہشیں اور چاہتیں بہرحال "حالات" کے تابع ہونے پر مجبور ہوتی ہیں۔

کچھ یوم پیشتر لندن سے سرور صاحب کا خط ملا تھا۔ انہوں نے یہ المناک خبر دی تھی کہ برادرم ملک آفتاب صاحب [1] اس دارِ فانی سے کوچ کرگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون٥

موت چونکہ برحق ہے اس لئے اس سے کسی کو بھی مفر نہیں۔ البتہ مرنے والوں سے متعلق یادیں بہرحال اپنے نقوش پیچھے چھوڑ جاتی ہیں۔ مرحوم آفتاب صاحب سے وابستہ ہماری یادیں مدتوں ذہن میں تازہ رہیں گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ اور ان کے دیگر پسماندگان کو یہ سانحہ برداشت کرنے کے لئے صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ مرحوم کے دونوں فرزندوں تک میری جانب سے تعزیت و ہمدردی کا پیغام ضرور پہنچایئے گا۔

بفضلِ ایزدی میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور ایامِ اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ باقی حالات جوں کے توں ہیں۔ کوشش کروں گا کہ آپ سے نامہ و پیام کا یہ سلسلہ

☆۱ ملک آفتاب ڈاکٹر فاروق حیدر کے بھائی تھے۔

آئندہ بھی جاری رہے۔
سبھی دوست احباب اور اہل خانہ کو میرا پر خلوص سلام۔

والسلام
آپ کا بھائی
محمد مقبول بٹ

ملک محمد سرور کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زندانِ دہلی

۲۰ / جون ۱۹۸۲ء

برادرم سرور صاحب

السلام علیکم:-

کافی عرصے کے بعد آپ سے مخاطب ہو رہا ہوں- یہ بات نہیں کہ آپ کو بھول گیا تھا مگر حالات کچھ ایسے تھے کہ آپ تک خیریت ناموں کی رسائی کچھ مخدوش سی بنا دی گئی تھی- وہ کہاوت آپ نے سنی ہوگی جس میں باسی کڑھی میں ابال آنے کا ذکر ہے- آپ نے قانونی چارہ جوئی کے ۔ انہ ۲۲ ہزار کی رقم کیا بھیجی کہ اس کی وصولی کے سلسلے میں "خدائی فوجداروں" کی خاموش اد ۔ ٹھنڈی کڑھی میں ایک دم گرم گرم ابال آگیا- معاملہ چونکہ بالکل دائرہ قانون کے اندر تھا اس لئے وہ دستبرد تو نہ کر سکے البتہ رخنہ اندازی میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی- پہلے تو بینک ڈرافٹ سپرنٹنڈنٹ کی معرفت[☆1] Safe Custody کے نام پر اپنے پاس ضبط کرلیا اور چیک کیش کرانے میں لیت و لعل کرتے رہے- جب چھ ماہ ہونے کو آئے تو میں نے سپریم کورٹ میں رٹ دائر کرانے کے ساتھ ہی بھوک ہڑتال شروع کردی تب جاکر مارچ ۸۲ء کے وسط میں وہ اسے کیش کرانے پر رضامند ہوئے چیک کیش کرنے کے بعد رقم کی ادائیگی کا سوال آیا تو پھر ٹال مٹول شروع کردی مگر اس دوران میں نے وکلاء کی ایک ٹیم کو[☆2] Engage کرلیا اور رقم کی ادائیگی کے لئے سپریم کورٹ میں درخواست دائر کردی- اس کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوا- ابتدائی تیاری

۱☆ "صحیح سالم حفاظت"

۲☆ "معاہدہ کرنا" "خدمت لینا"

کے لئے دس ہزار کی رقم وکلاء کو دے چکا ہوں اور دہلی سے میرے ایک وکیل ریکارڈ کا جائزہ لینے کے لئے سری نگر گئے ہوئے ہیں ☆۱ وہ اس ماہ کے آخر تک واپس آئیں گے اور اپنے ہمراہ ضروری دستاویزات کی نقول وغیرہ بھی لائیں گے۔ تب تک سپریم کورٹ کی موسم گرما کی تعطیلات بھی ختم ہو جائیں گی پھر مناسب مشورہ کے بعد رٹ درخواست دائر کروی جائے گی۔ ویسے میرے وکلاء خاصے پُرامید ہیں اور وہ اس قانونی لڑائی کے لئے مختلف النوع چارہ جوئی کے لئے رضامند ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کو جولائی کے وسط تک ضروری تفصیلات سے مکمل آگاہی دینے کی پوزیشن میں ہوسکوں گا۔

لندن سے جناب زبیر صاحب نے پچاس پونڈ کا ایک انٹرنیشنل منی آرڈر بھیجا تھا وہ مل گیا اور کیش بھی ہو گیا البتہ آپ نے گذشتہ برس -/۵۴۰ روپے کا جو بنک ڈرافٹ نمبر OOC-1069052 CE مورخہ 16Th April 1981 سٹیٹ بنک آف انڈیا کے نام پر ارسال کیا تھا وہ تاحال کیش نہ ہو سکا۔ اول تو اس کی معیاد گزر چکی ہے یعنی یہ Lapse ہو گیا ہے۔ دوم یہ کہ "ضبط کرنے والوں" کو اب یہ اپنی فائلوں میں مل ہی نہیں رہا ہے۔ اس لئے کہ اس دوران یہاں کے "تحویلدار" بدل چکے ہیں۔ آپ اپنے بنک حکام سے بات کریں اگر وہ اس "گمشدہ" ڈرافٹ کی جگہ دوسرا ڈرافٹ ارسال کرسکتے ہیں یا رقم کو کسی اور انداز میں منتقل کرسکتے ہیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔ ویسے میں برابر جیل حکام پر اسے Trace ☆۲ کرنے کے لئے دباؤ جاری رکھوں گا۔

آپ حیران ہوں گے کہ ۱۸ دسمبر کا لکھا ہوا آپ کا خط مجھے مارچ کے آخر میں مل گیا وہ بھی شاید اس لئے کہ روکنے والوں کی نظروں سے بچ گیا ورنہ حال یہ ہے کہ گذشتہ اکتوبر کے بعد سے اب تک میرے نام آنے والے سبھی خطوط "خدائی فوجداروں" کی "کرم فرمائیوں" کی نذر ہو چکے ہیں کیا خوب "ابال" آیا تھا۔ یہ جان کر بہت دکھ ہوا کہ برادرم ڈاکٹر فاروق حیدر صاحب کے برادر اکبر ملک آفتاب صاحب اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون میری

☆۱ دہلی کے معروف قانون دان مظفر بیگ ایڈووکیٹ کیس کے ریکارڈ کا جائزہ لینے سری نگر گئے تھے۔

☆۲ تلاش

جانب سے انہیں تعزیت کا پیغام ضرور پہنچایئے گا- ویسے میں براہ راست انہیں خط لکھ کر اس سلسلے میں اظہار تعزیت کروں گا مگر کیا معلوم کہ ان تک یہ پہنچ بھی پائے؟- اللہ تعالی مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے سبھی پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

میری صحت بفضلِ ایزدی بالکل درست ہے اور ایام اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں- میرا اندازہ ہے کہ جس قانونی چارہ جوئی کا ہم آغاز کر رہے ہیں اس کے خاصے سیاسی مضمرات ہیں اس لئے میری خواہش ہے کہ اسے مناسب طور پر اور پوری استعداد کے ساتھ تمام وسائل یکجا کر کے بھرپور طریقہ سے منظم کیا جائے- ہوسکتا ہے کہ اس کے لئے آپ کو کچھ اور Contribution کرنا پڑے- اس کے بارے میں میرے وکلاء☆ کے سری نگر سے یہاں آنے اور مجھ سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد ہی میں آپ کو تفصیل سے بتا سکوں گا- جب تک آپ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار رہیں- آپ سے انشاء اللہ برابر رابطہ قائم رہے گا-

سبھی دوست احباب اور عزیز و اقارب تک میرا پرخلوص سلام پہنچائے گا-

والسلام

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد مقبول بٹ

☆ عبدالغنی لون ایڈووکیٹ اور پیارے لال ہانڈو-

ماسٹر محمد مقبول کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تہاڑ جیل نئی دہلی

۲۳/ مئی ۱۹۸۳ء

براد رم محمد مقبول خان صاحب

السلام علیکم:۔ امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

چند یوم بیشتر برادرم غلام نبی بغرضِ ملاقات کشمیر سے یہاں چلے آئے تھے۔ ان کی زبانی یہ دلدوز خبر سنی کہ ہمشیرہ فاطمہ ۱☆ اس جہانِ فانی سے رحلت کر گئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس المناک خبر سے مجھے ذاتی طور پر جو صدمہ ہوا ہے اس کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں، یوں تو ہر ذی روح کو کبھی نہ کبھی اس دارِ فانی سے کوچ کرنا ہوتا ہے لیکن جن حالات میں پہلے راجہ ۲☆☆ اور اب فاطمہ ہمیں تنہا چھوڑ کر اس جہان سے رحلت کر گئیں۔ وہ بجائے خود اس قدر المناک اور غم انگیز ہیں کہ ان سے پیدا ہونے والا زخم شاید ہی کبھی مندمل ہو سکے۔ گوشت پوست والے کسی بھی انسان کے لئے جس کے سینے میں حساس دل دھڑکتا ہو اس سے بڑھ کر صدمہ انگیز اور دل کو پاش پاش کرنے والی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے عزیزوں (Loved Ones) کے سفرِ آخرت کے لمحات میں بھی محض اس لئے ان کے دکھ میں شریک ہونے کی سعادت سے محروم رہے کہ حالات کا جبر ایک ناقابلِ عبور دیوار بن کر سامنے آ جائے۔ ایسے مواقع پر بے بسی کے آنسوؤں کے علاوہ اور کیا پیش کیا جا سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حالات کی ستمگری اب ایسی حدوں کو چھو چکی ہے کہ اشکوں کی سوغات بھی استدادِ زمانہ کی آنچ سے خشک ہو چکی ہے۔ ایسے میں سوائے خاموش ماتم کے اور چارہ ہی کیا ہے۔

۱☆ مکتوب الیہ کی اہلیہ۔

۲☆☆ راجہ بیگم مکتوب الیہ کی والدہ تھیں۔

بہرحال اہلِ ایمان ہونے کے ناطے ہمیں رضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا چاہئے۔ ضروری نہیں کہ ہم منشا ایزدی کی تمام تر نفسیات کو سمجھ سکیں۔ بحالتِ موجودہ بارگاہِ خداوندی سے صبر و استقامت کی التجا ہی بہترین وظیرہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس دعا میں آپ میرے ساتھ شریک ہوں گے۔ مکرر دعا ہے کہ خداوند کریم مرحومہ کو جوار رحمت میں جگہ دے اور ہم سبھی پسماندگان کو صبر جمیل کی نعمت سے نوازے۔

شرمندہ ہوں کہ برسوں بعد آپ سے مخاطب ہونے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں' یہ بات ہرگز نہیں کہ آپ کی یاد ذہن سے محو ہوگئی تھی یا یہ کہ آپ سے جو تعلق ہے اس کی تازگی اور توانائی میں کوئی کمی آگئی تھی۔ کچھ تو حالات کی مجبوریاں تھیں اور پھر کچھ ذاتی اندیشے اور وجوہ جنھوں نے خواہش کے برعکس آپ سے نامہ و پیام کا براہ راست سلسلہ قائم رکھنے سے باز رکھا۔ ان اندیشوں اور وجوہ کو سمجھنا شاید آپ کے لئے مشکل نہیں ہوگا۔ بہرحال اگر اس سلسلے میں آپ ناراضگی محسوس کرتے ہوں تو کامل انکسار کے ساتھ آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ یقین ہے کہ آپ اس صورت حال کو میری دانستہ کوتاہی یا عدم توجہی قرار نہیں دیں گے۔

میری صحت بفضلِ ایزدی بالکل ٹھیک ہے اور ایام اسیری صبر و شکر کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ میں نے اپنے معاملے میں مزید قانونی چارہ جوئی کے لئے سپریم کورٹ میں رٹ دائر کر رکھی ہے جس کی سماعت اب وسط جولائی میں ہوگی۔ میرے وکلاء اس سلسلے میں خاصے پرامید ہیں۔ دیکھئے آئندہ قدرت کو کیا منظور ہوگا۔ ☆[1] آپ کی دعائیں شامل حال ہوں تو امتحان و آزمائش کا یہ دور بھی بخیر و خوبی اپنے انجام کو پہنچے گا۔ طویل عرصے سے جاوید اور شوکت کی جانب سے کوئی خط نہیں ملا۔ البتہ حال ہی میں برادرم غلام نبی کو انہوں نے جو خطوط لکھے تھے انہیں دیکھنے کا موقع ملا۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ خیریت سے ہیں۔ ویسے بھی آپ کی موجودگی میں مجھے ان کی صحیح سمت میں راہنمائی کے سلسلے میں کوئی اندیشہ نہیں۔ آپ کی سرپرستی اور راہنمائی یقیناً اس خلاء کو پر کرے گی جو انہیں میری عدم موجودگی میں محسوس ہوتی رہی ہے۔

☆1 مومن ہر حال میں امید کا دامن تھامے رہتا ہے اور خدا کی رضا پہ راضی ہوتا ہے۔

مجھے خوشی ہوگی اگر آپ اپنی اور دیگر تمام اہل خانہ کی خیریت سے تفصیلاً آگاہ کرنے کی زحمت گوارہ کریں۔ عزیزم منظور احمد [1] اور عبدالغفار [2] کی تعلیمی و پیشہ وارانہ مصروفیات کی تفصیل بھی لکھیے گا۔

تمام عزیز و اقارب اور دوست احباب کو میری جانب سے درجہ بدرجہ سلام اور بچوں کے لئے بہت بہت پیار۔

والسلام

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد مقبول بٹ

---

[1] مکتوب الیہ کا بیٹا۔

[2] مکتوب الیہ کا بھانجا۔

عکسِ تحریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تہاڑ جیل
نئی دہلی ۲۲ مئی ۱۹۸۳

برادرم محمد مقبول خان صاحب

السلام علیکم :- امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

چند یوم بیشتر برادرم غلام نبی بغرضِ ملاقات کشمیر سے یہاں پہنچے تو اُن کی زبانی یہ دلدوز خبر سنی کہ ہمشیرہ [illegible] اس جہانِ فانی سے رحلت کر گئی ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اس المناک خبر سے مجھے ذاتی طور پر جو صدمہ ہوا ہے اس کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں۔ [illegible] کبھی نہ کبھی اس [illegible] سے گزرنا پڑتا ہے۔ لیکن جن حالات میں [illegible] تنہا چھوڑ کر اس جہاں سے رحلت [illegible] گئیں [illegible] شاید ہی کبھی مندمل ہو سکے۔ [illegible] دل [illegible] ہو اس سے بڑھ کر [illegible] بات [illegible] ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے عزیزوں [illegible] سے لمحات [illegible] کی سعادت سے محروم رہے کہ حالات کا جبر [illegible] کے سامنے [illegible] ہے۔ [illegible] ہے کہ حالات کی ستمگری [illegible] کی زنجیر سے [illegible] ہو چکی ہے۔ [illegible] ہی [illegible] چادر [illegible] ہے۔

بہرحال [illegible] میں [illegible] جیسے [illegible] سر تسلیم خم کرنا چاہیے [illegible] تعزیت کر سکیں۔ بحالت موجودہ [illegible] کی التجا ہی بہتر ہے [illegible] ہے کہ [illegible] آپ [illegible] شریک ہوتا ہے۔ [illegible] کو [illegible] جمیل کی توفیق عطا کرے۔

شرمندہ ہوں کہ [illegible] آپ سے [illegible] ہونے کی سعادت حاصل کر پایا ہوں۔ یہ بات [illegible] آپ کی یاد [illegible] سے محو ہو گئی ہو [illegible] ہے اُسکی [illegible] حالات کی مجبوریاں بھی [illegible] ہوں۔ [illegible] آپ سے [illegible]

معاملہ [illegible] سے باہر تھا۔ ان مذکورہ وجوہ کو سمجھنا شاید
آپ جیسے [illegible] نہیں ہو سکتا۔ بہرحال اگر اس سلسلے میں آپ ناراضگی محسوس کرتے ہیں تو
کامل حق بجانب ہیں [illegible] ہوں۔ یقین ہے کہ آپ میری مجبوری کو میری
دانستہ کوتاہی یا [illegible] عدم توجہی قرار نہیں دیں گے۔

میری صحت بفضل ایزدی بالکل ٹھیک ہے [illegible] شکر ادا کرتا ہوں
[illegible] گذار رہا ہوں۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

हवाई पत्र
Aerogramme

IX ASIAN GAMES
DELHI 1982

R-[illegible]

Mr. Mohd Maqbool Khan, — ماسٹر محمد مقبول خان صاحب
Diggy Mohalla, — ڈگی محلہ جیل روڈ
JAIL ROAD — ایبٹ آباد (ہزارہ ڈویژن) پاکستان
ABBOTTABAD (Hazara) PAKISTAN.

दूसरा मोड़ Second Fold

प्रेषक का नाम और पता
Sender's Name and Address

Mohd Maqbool Bhat
Ward No. I Central Jail, Tihar,
New Delhi-64 INDIA.

इस पत्र के अन्दर कुछ न रखें
No Enclosures Allowed

ڈاکٹر فاروق حیدر کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تہاڑ جیل دلی
۸ ستمبر ۱۹۸۳ء

برادرم فاروق حیدر صاحب

السلام علیکم:-

کافی مدت کے بعد وسط اگست میں آپ کا وہ خیریت نامہ ملا جو ماہ جولائی کے آغاز میں آپ نے سپردِ ڈاک کیا تھا- خط کیا تھا مختصر نویسی کا ایک نادر نمونہ' کل ملا کر چالیس الفاظ پر مشتمل ۴ عدد جملے' جن میں سے دس الفاظ صرف القاب و آداب اور سلام و خیریت کی نذر ہو گئے تھے- یقین مانئے طبیعت عش عش کرا ٹھی- شاید آپ نے سوچا ہو کہ اختصار کے باعث اس خط کا "سفر" بھی مختصر ہی رہے گا- مگر آپ کو شاید معلوم نہیں کہ "یار لوگ" ☆۱ اسے بھی عشق کی ایک ادا سمجھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ پس الفاظ یا بین السطور کوئی کام کی بات معلوم کر سکیں- بہر حال ڈیڑھ ماہ بعد ہی سہی پھر بھی یہ کیا کم خوشی کی بات ہے کہ آپ کا نامہ محبت وصول تو ہوا- خط کو رجسٹری کر کے بھیجنے کا تکلف بے جا ہے اس لئے کہ ملنے کو تو کبھی کبھی محترم جسوال صاحب کے "بک پوسٹ" خط بھی مل جایا کرتے ہیں- پس وہ خطوط جن کا مقدر ہی مقدروں کے خداؤں کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھنا ہوتا ہے' انہیں ڈاک کی رجسٹری جیسے مراسم کی روانگی کیسے بچا سکتی ہے-

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں بالکل خیریت سے ہوں اور آپ کی اور دیگر دوست احباب کی خیریت کے لئے دست بدعا' شرمندہ ہوں کہ طویل عرصے سے آپ کو اپنی خیریت کی اطلاع نہ دے سکا- اس میں کچھ مجبوریوں اور کچھ مصلحتوں کا دخل رہا-

☆۱ جیل حکام

بہرحال امید کرتا ہوں کہ اس ضمن میں آپ میری معذرت قبول فرمائیں گے۔ آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔

یہاں کی سپریم کورٹ میں قانونی چارہ جوئی کے لئے ہماری مساعی کا پہلا مرحلہ مکمل ہوگیا ہے۔ ۱۲ اگست کو عدالت کے ڈویژن بینچ نے چیف جسٹس کی سربراہی میں ہماری وہ رٹ درخواست منظور کرلی جس میں ہم نے ریاستی حکومت اور ہائی کورٹ کے نام پر ہدایت جاری کرنے کی التجا کی تھی کہ وہ ان مقدمات کا ریکارڈ برائے معائنہ و ملاحظہ فراہم کرے جن کی پاداش میں رواں اسیری اور "سزا" جاری ہے۔ آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ Aggrieved Party ☆۱ ہونے کے باوصف اس ریکارڈ کو خود ہم سے پوشیدہ رکھنے کے لئے State نے کیا کیا عذر تراشے ہیں اور گزشتہ دو برس سے اس سلسلے میں لیت و لعل کر کے ہماری کوششوں کو کس کس طرح Frustrate ☆۲ کیا ہے۔

بہرحال ہماری جدوجہد جاری ہے اور عنقریب ہی اس سلسلے میں اگلا قدم ریکارڈ کے معائنے کے بعد اٹھایا جائے گا۔ جب یہ مرحلہ آئے گا آپ کو ضروری معلومات فراہم کروں گا۔ پروگرام یہ ہے کہ ریکارڈ کے معائنے کے بعد ضروری دستاویزات حاصل کرلی جائیں اور پھر مقدمے کی کارروائی کی قانونی جوازیت کو چیلنج کیا جائے۔ ہمارے وکلاء کا خیال ہے کہ کیس خاصا مضبوط ہے۔ اپنی کاوش جاری رہے گی۔ نتیجہ بہرحال اللہ پر چھوڑ رکھا ہے۔ آپ سے اس ضمن میں دعاؤں کا طلب گار ہوں۔

میری جانب سے تمام دوست احباب کو خلوص و محبت سے بھرپور سلام

والسلام ----- آپ کا بھائی

محمد مقبول بٹ

(نوٹ) اگر شوکت کا F.Sc کا نتیجہ آیا ہو تو اس کی اطلاع ضرور دیجئے گا۔ کچھ عرصہ قبل منو بیٹی کا ایک خط ملا تھا ☆۳ نہ معلوم جوابی خط ان تک پہنچا کہ نہیں۔ بہرحال سبھی اہل خانہ کو میری طرف سے سلام بچوں کے لئے بہت بہت پیار۔ (مقبول بٹ)

☆۱ وہ فریق جسے دکھ اور رنج پہنچایا گیا ہو۔

☆۲ ناکام بنانا' بے اثر کرنا۔

☆۳ افسوس کہ منو کے نام مقبول بٹ شہید کا خط دستیاب نہ ہو سکا۔

تعارف مکتوبات الیہم

(بہ ترتیب حرف تہجی)

شعورِ فردا میں جن خواتین و حضرات کے نام مقبول بٹ شہید کے مکتوبات شامل ہیں ان کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

۱۔ **ارشد محمود انصاری (۳خطوط) :** ارشد محمود انصاری میرپور کے رہنے والے ہیں۔ مقبول بٹ شہیدؒ کے نظریاتی پیروکاروں میں سے ہیں۔ جب بٹ صاحب نے انھیں تہاڑ جیل سے خطوط لکھے وہ سعودی عرب میں بسلسلہ روزگار قیام پذیر تھے۔

۲۔ **محمد اصغر ملک ایڈووکیٹ (۲خطوط) :** محمد اصغر ملک کوٹلی کے رہنے والے ہیں۔ ملک غلام سرور (برطانیہ) ان کے بڑے بھائی ہیں۔ موصوف وکالت کے پیشے سے وابستہ ہیں اور مقبول بٹ شہید کے دیرینہ ساتھی ہیں۔ ان کی ساری زندگی نظریاتی و تحریکی سرگرمیوں میں گزری۔ آج کل جموں کشمیر نیشنل لبریشن فرنٹ سے وابستہ ہیں۔

۳۔ **محمد اعجاز ملک (۱خط) :** اعجاز ملک کوٹلی کے رہنے والے تھے۔ وہ لاء گریجویٹ تھے اور کچھ عرصہ کوٹلی میں وکالت بھی کرتے رہے۔ وہ گنگا ہائی جیکنگ کیس کے سلسلے میں شاہی قلعہ لاہور میں پابند سلاسل بھی رہے۔ جنوری ۱۹۷۶ء کا واقعہ ہے کہ ایک صبح ملک اعجاز اور مقبول بٹ شہید ڈاکٹر فاروق حیدر کے گھر سے صدر بازار راولپنڈی کی طرف موٹر سائیکل پر سوار تھے کہ راستے میں انھیں حادثہ پیش آگیا۔ ڈرائیونگ ملک اعجاز کر رہے تھے اس لئے حادثہ میں انھیں سر پہ شدید چوٹ آئی جس سے وہ بے ہوش ہوگئے اور کئی روز تک اس حالت میں سی ایم ایچ میں داخل رہے۔ جب ہوش آیا تو ان کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہ تھی۔ بٹ صاحب کو معمولی

چوٹ آئی۔ ملک اعجاز نے ذہنی عارضے میں ہی وفات پائی۔

۴۔ اکرام اللہ جسوال (۴ خطوط) : اکرام اللہ جسوال کشمیر کے بھارتی مقبوضہ علاقے سے ہجرت کر کے آزاد کشمیر میں آباد ہوئے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے بھی اور بعد میں بھی فوج میں تعینات رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد غم روزگار کے ساتھ ساتھ کشمیر کی قومی آزادی کیلئے محاذ رائے شماری کے پلیٹ فارم سے سرگرم عمل رہے۔ کشمیر کی قومی آزادی کا جذبہ ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ چند سال قبل وفات پا گئے۔ مرحوم میرپور شہر میں دفن ہیں۔

۵۔ جاوید مقبول بٹ (۱ خط) : مقبول بٹ شہید کے فرزند ہیں۔ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے فارغ التحصیل ہیں۔ آج کل پشاور میں بطور ایگریکلچر آفیسر تعینات ہیں۔

۶۔ جی ایم مفتی (۱ خط) : جی ایم مفتی مقبول بٹ شہید کے لڑکپن کے دوست ہیں۔ دونوں دوست یکے بعد دیگرے مقبوضہ کشمیر سے مہاجر ہوئے اور کچھ عرصہ پشاور میں اکٹھے رہے۔ بعد ازاں مفتی صاحب نے مظفر آباد سکونت اختیار کر لی۔ موصوف آزاد کشمیر کے نامور صحافی تھے اب وفات پا چکے ہیں۔

۷۔ رشید ظفر (۱ خط) : رشید ظفر عباس پور آزاد کشمیر کے رہنے والے ہیں۔ یہ عرصہ دراز سے بسلسلہ روزگار سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ راجہ مظفر خاں کی وساطت سے یہ بٹ صاحب کی شخصیت اور نظریات سے متعارف ہوئے۔ ان کے نام مقبول بٹ شہید کا ایک خط دستیاب ہوا ہے۔

۸۔ شوکت مقبول بٹ (۱ خط) : شوکت مقبول شہید کشمیر کے چھوٹے فرزند ہیں۔ لاء گریجویٹ ہیں اور زمانہ طالب علمی سے ہی باپ کی نقش قدم پر چلتے ہوئے جدوجہد آزادی میں سرگرم عمل ہیں۔ آج کل جموں کشمیر نیشنل لبریشن فرنٹ

کے مرکزی صدر رہیں۔ موصوف مظفر آباد میں سکونت پذیر ہیں۔

۹۔ محمد عارف (۴ خطوط) : محمد عارف کا تعلق آزاد کشمیر سے ہے۔ یہ عرصہ دراز سے برطانیہ میں رہائش پذیر ہیں۔ انھوں نے برطانیہ سے مقبول بٹ شہید سے خط و کتابت جاری رکھی۔

۱۰۔ عبدالخالق انصاری (۱خط) : عبدالخالق انصاری ایڈووکیٹ محاذ رائے شماری کے بانیوں میں سے ہیں۔ محاذ کے مرکزی صدر بھی رہے۔ موصوف مقبول بٹ شہید کے قریبی دوستوں میں سے ہیں۔ انھیں خود مختار کشمیر کی جدوجہد میں کئی بار قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔ آزاد کشمیر کی نوجوان نسل میں فکری بیداری پیدا کرنے میں انصاری صاحب نے قابل قدر کام کیا۔ موصوف ممتاز قانون دان اور بزرگ دانشور ہیں۔

۱۱۔ عبدالعزیز بٹ (۲ خطوط) : عبدالعزیز بٹ مقبول بٹ شہید کے سگے چچا تھے۔ دونوں چچا بھتیجا ۱۹۵۸ء میں مقبوضہ کشمیر (بارہ مولا) سے نقل مکانی کر کے آزاد کشمیر آ گئے اور پھر پشاور میں سکونت اختیار کر لی۔ عزیز بٹ پیشے کے اعتبار سے ٹیلر ماسٹر تھے۔ موصوف ۱۹۹۱ء میں پشاور میں ہی فوت ہوئے اور وہیں دفن ہیں۔

۱۲۔ عذرا میر (۱خط) : عذرا میر جی ایم میر کی بیٹی ہیں۔ آج کل ایبٹ آباد میں رہائش پذیر ہیں۔ عذرا کے نام مقبول بٹ شہید کا ایک تاریخی خط موجود ہے جو انھوں نے کوٹ لکھپت جیل لاہور سے لکھا تھا۔ ان دنوں بٹ صاحب گنگاہائی جیکنگ کیس کے سلسلے میں پابند سلاسل تھے۔

۱۳۔ عفت فاروق (۱خط) : بیگم عفت فاروق ڈاکٹر فاروق حیدر کی اہلیہ ہیں۔ اس عظیم خاتون نے مقبول بٹ شہید اور ان کے تحریکی دوستوں کی بہت خدمت کی۔

۱۴۔ غلام سرور میاں (۲ خطوط) : میاں غلام سرور سری نگر کے رہنے والے ہیں۔ انھیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے ۷/ اگست ۱۹۸۱ء کو مقبول بٹ شہید کے نام مقبوضہ کشمیر سے پہلا خط لکھا۔ میاں صاحب کے نام مقبول بٹ شہید کے دو مکتوبات دستیاب ہوئے ہیں۔ موصوف نے آج کل پاکستان میں سکونت اختیار کر لی ہے۔

۱۵۔ غلام سرور ملک (۴ خطوط) : ملک غلام سرور کوٹلی کے رہنے والے ہیں۔ آج کل برطانیہ میں رہائش پذیر ہیں ملک صاحب کے والد برٹش آرمی میں جونیئر کمیشنڈ آفیسر تھے۔ ۱۹۴۷ء کی جنگ میں انھوں نے نمایاں حصہ لیا۔ جدوجہد آزادی کا یہی جذبہ اپنے فرزندوں ملک غلام سرور اور ملک اصغر میں بھی پیدا کیا۔ ملک غلام سرور مقبول بٹ کے دیرینہ دوستوں میں سے ہیں۔ برطانیہ میں جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کی بنیاد ڈالی گئی تو ملک صاحب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ موصوف کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انھوں نے ۱۸ جنوری ۱۹۸۰ء کو تہاڑ جیل دہلی میں مقبول بٹ شہید سے ملاقات کی۔ انھوں نے خط وکتابت کے ذریعے بٹ صاحب سے مسلسل رابطہ رکھا۔

۱۶۔ ڈاکٹر فاروق حیدر (۶ خطوط) : ڈاکٹر فاروق حیدر، مقبول بٹ شہید کے انتہائی قریبی دوست اور نظریاتی ساتھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مقبول بٹ شہید نے اپنے ایک خط میں ڈاکٹر صاحب کو "برادر عزیز" کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تہاڑ جیل میں بھی بٹ صاحب سے مسلسل رابطہ رکھا۔ ان کے نام شہید کے کافی خطوط موجود ہیں۔ ڈاکٹر فاروق حیدر نے سفر و حضر میں مقبول بٹ شہید کا ساتھ دیا۔ جانی و مالی قربانی دی اور قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ موصوف پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں لیکن وطن کی آزادی کے لئے فکری و عسکری محاذ پر بھی سرگرم عمل ہیں۔ راولپنڈی میں رہائش پذیر ہیں۔

۱۷۔ راجہ مظفر خان (۲ خطوط) : راجہ مظفر خان، مظفر آباد کے رہنے والے ہیں۔ جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے سینئر نائب صدر رہیں۔ راجہ صاحب نے مقبول

بٹ شہید کو قریب سے دیکھا اور ان کے نظریات و خیالات سے متاثر ہو کر خود مختار کشمیر کی جدوجہد میں شامل ہو گئے۔ راجہ صاحب بسلسلہ روزگار سعودی عرب میں مقیم تھے جب مقبول بٹ سے ان کی مراسلت ہوئی۔

۱۸۔ محمد مقبول ماسٹر (اخط) : ماسٹر مقبول ۱۹۴۷ء کے بعد بھارت کے زیر قبضہ کشمیر سے ہجرت کر کے آزاد کشمیر آ گئے اور ایبٹ آباد (پاکستان) میں سکونت اختیار کی۔ ماسٹر صاحب نے تحریک آزادی کشمیر میں مقبول بٹ شہید کے شانہ بشانہ کام کیا۔ مقبول بٹ شہید کی زوجہ راجہ بیگم ان کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ مقبول بٹ شہید کی عدم موجودگی میں ماسٹر صاحب نے ان کے بیوی بچوں کے سر پر دست شفقت رکھا۔

۱۹۔ محمد یوسف زرگر (اخط) : محمد یوسف زرگر مقبول بٹ شہید کے لڑکپن کے دوستوں میں سے ہیں۔ انھیں حریت پسندانہ سرگرمیوں کی پاداش میں مقبوضہ کشمیر سے آزاد کشمیر دھکیل دیا گیا۔ یہاں آ کر موصوف مسلم کانفرنس سے وابستہ ہو گئے لیکن جب بٹ صاحب کی ولولہ انگیز قیادت میں محاذ رائے شماری نے خود مختار کشمیر کیلئے جدوجہد شروع کی تو زرگر صاحب بھی اس قافلے سے آن ملے۔ زرگر صاحب مظفر آباد میں مقیم ہیں۔

شعورِ فردا پر حکومتی پابندی اور عوامی ردِ عمل

۱۔ وزارتِ داخلہ حکومتِ پاکستان کا خط

۲۔ پاکستان کے وزیرِ داخلہ کے نام جی ایم مفتی کا خط

۳۔ A LIVING LEGEND (کالم) پروفیسر افتخار مغل

۴۔ صدا دے گی تو حشر ہوگا (کالم) پروفیسر افتخار مغل

۵۔ شعور کی توہین (کالم) عارف بہار

۶۔ شعورِ فردا اور قلم فائر (مضمون) ذوالفقار حیدر راجہ

۷۔ Maqbool Butt and Shaur-e-Farda ۔ رفیق اے خان

۸۔ نامے میرے نام۔ قارئین کے خطوط

چہرہ کھلا کھلا ہو گا چاہے بازی وہ ہار دے
خنجر شعورِ فردا کا ترے دل میں اتار کے

(سید امجد گردیزی)

Secret/Immediate

No.2/10/98-Security.III
Government of Pakistan
Interior Division

*****

Islamabad, the 21st August 1998.

From : Fazal Hussain,
Section Officer

To : The Chief Commissioner,
Islamabad Capital Territory,
Islamabad

The Chief Secretary,
Government of AJ&K,
Muzaffabad

The Home Secretary,
Government of Punjab/Sindh/NWFP/Baluchistan,
Lahore/Karachi/Peshawar/Quetta

وزارتِ داخلہ حکومتِ پاکستان کا
وہ مکتوب جس کی روشنی میں شعور
فردا پر پابندی عائد کی گئی۔

Subject:- Subversive Material.

Sir,

I am directed to say that it has beer reported that a book titled "Shaur-e-Farda"(Awarness f Tommorrow) based upon letters of Mr. Maqbool Butt, compiled and collated by Mr. Muhammad Saeed Asad,Director National Institute of Kashmir Studies,Mirpur is available in the market. The book contains 39 letters written by Maqbool Butt between 1960-1983. Foreword of the book has been written by Prof M Ashraf Qureshi,Head of the Department of Kashmiriat in Punjab University, who is a strong admirer and supporter of the personality and philosophy of Mr.Maqbool Butt. An attempt has been made to promote nationalist feelings amongst Kashmiris of AK.

2. It is requested that the said book may be forefeited forthwith and its publication may be banned. Action taken in the matter may also be intimated to this Ministry.

Your obedient servant,

(Fazal Hussain)
Section Officer

پاکستان کے وزیر داخلہ چوہدری شجاعت حسین کے نام

ممتاز کشمیری صحافی **جی ایم مفتی** کا خط

محترم جناب چوہدری صاحب!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

۱۲ جنوری ۱۹۹۹ء کے اخبارات میں اس خبر نے چونکا دیا کہ وزارت داخلہ حکومت پاکستان نے پنجاب یونیورسٹی لاہور کے گولڈ میڈلسٹ نامور محقق اور ریسرچ سکالر جناب سعید اسعد کی تالیف "شعور فردا" کو ضبط کرنے کا حکم دیدیا ہے۔ "شعور فردا" عالم انسانیت کے نامور گوریلا لیڈر، وادی کشمیر کی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ مہذب اور شائستہ شخصیت شہید کشمیر محمد مقبول بٹؒ کے ان تاریخ ساز، یادگار اور ادبی شاہکار خطوط کا مجموعہ ہے جو انہوں نے تہاڑ جیل دہلی، سنٹرل جیل سری نگر، کوٹ لکھپت جیل لاہور، پشاور اور دیگر مقامات سے اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو لکھے تھے۔ جب بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے انہیں کشمیر کی آزادی کے جرم میں ۱۹۸۴ء میں تختہ دار پر چڑھا کر دہلی کے تہاڑ جیل میں سپرد خاک کرادیا تو مقبول بٹ کے کچھ خطوط کو پاکستان اور سمندر پار ملکوں کے اکثر اخبارات نے شائع بھی کیا تھا۔ اس طرح شعور فردا میں شہید مقبول بٹ کے خطوط نہ خفیہ رہ سکے اور نہ ہی پاکستان کی سلامتی یا نظریاتی اساس پر اثر انداز ہوئے بلکہ کشمیر کی آزادی کی موجودہ تحریک مقبول بٹ کے نام اور حوالہ سے ہی شروع ہوئی۔ پاکستانی سپریم کورٹ کے فیصلے کی رو سے مقبول بٹ اور ان کے ساتھی ریاست جموں کشمیر کے عظیم پیٹریاٹ، تحریک آزادی کے ہیرو اور محب وطن سپہ سالار ہیں۔ جو اپنی دھرتی کی آزادی کے لئے بے وسیلہ ہونے کے باوجود بھارتی برہمنی سامراج کے خلاف سیاسی، سفارتی، عسکری، الیکٹرانک، اور پرنٹ میڈیا کے محاذ پر صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر دلیرانہ جدوجہد کر رہے ہیں۔ لاہور ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن نے ۱۹۸۴ء میں ایک اہم اجلاس میں انہیں پاکستان اور کشمیر کے درمیان ایک پل قرار دے کر یکجہتی کی علامت کے طور پر ان کی بے مثال اور ناقابل فراموش جدوجہد پر فیلڈ مارشل کا خطاب عطا کیا تھا۔

شہید مقبول بٹ کا غالباً سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ اس نے کشمیر کی موجودہ نسل کو بھارت کیخلاف مسلح جدوجہد کرنے کا شعور دیا اور سب سے پہلے خود بھارت کیخلاف اپنے ہاتھوں میں ہتھیار اٹھا کر اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور اس طرح ریاست کی تحریک آزادی کا ایک نیا باب رقم کیا۔ آج بھی سری نگر میں قائدین کشمیر سید شبیر احمد شاہ، محمد یسین ملک، اعظم انقلابی اور ان کے رفقاء شہید اعظم محمد مقبول بٹ کے حوالہ سے ہی استعمار کے خلاف برسرپیکار ہیں۔

جناب محترم! کتابیں لکھنا، سچائی کے منکرین کے خلاف حقائق کو اکٹھے کرنا، ناقابل تردید واقعات کو قلمبند کر کے تاریخ کے سینے میں محفوظ کرنا اہل علم و قلم کا قومی اور ملی فریضہ ہے۔ اگر پنجاب یونیورسٹی لاہور کے فارغ التحصیل ایک جواں سال، جرأتمند، ایماندار پیشہ گولڈ میڈلسٹ ریسرچ سکالر جناب سعید اسعد نے انتھک محنت کر کے شہید مقبول کے خطوط کو یکجا کر کے کتاب کی شکل میں پیش کیا تو اسے مرحبا کہنا چاہیے تھا، نہ کہ کتاب کی ضبطی کا حکم۔

محترم ذرا خیال فرمائیے۔ غور کیجئے۔ جرم یہ بتایا گیا ہے کہ کتاب کا مطالعہ کرنے سے نیشنلزم کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔ آپ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ریڈیو آزاد کشمیر تراڑ کھل اور مظفر آباد صبح سے رات گئے تک

وطن ہمارا آزاد کشمیر کا ترانہ نشر کرتے ہیں۔ یہاں کا بچہ پیدا ہوتے وقت تکبیر سے پہلے جو آواز سنتا ہے وہ وطن ہمارا آزاد کشمیر ہے۔ پاکستان ٹی وی کشمیری خبرنامہ کے دوران نہ تو پاکستانی پرچم دکھاتا ہے اور نہ ہی آزاد کشمیر کا بلکہ چنار کے پتے دکھائے جاتے ہیں۔ چنار ریاست جموں کشمیر میں ان حریت پسندوں کا قومی نشان ہے جو ایک آزاد اور خودمختار ریاست کیلئے طویل عرصہ سے مصروف جدوجہد ہیں اور ان اداروں پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کروڑوں روپے خرچ کرتا ہے۔

ماضی میں ملت اسلامیہ کے عظیم المرتبت مفکرین' دانشور' قائدین' علمی' ادبی' مذہبی اور سیاسی شخصیات جن میں مولانا محمد علی جوہر' شوکت علی' ظفر علی خان' شورش کاشمیری' حسرت موہانی' مولانا مودودی' ابوالکلام آزاد مولانا راغب احسن کی یادگار اور روشن مینار تحریروں پر پابندی لگائی جاتی رہی ہے۔ ان میں شہید مقبول بٹ کا نام بھی شامل ہوگیا ہے۔ اگر ایسی حرکت بھارت کر بیٹھتا تو صورت حال مختلف ہوتی' ہمارے لئے تو مشکل یہ ہے کہ یہ اس عظیم اسلامی مملکت نے پابندی لگادی ہے جو خود اسلام اور جمہوریت کے نام پر قائم ہوا ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کے والد محترم پاکستان کے نامور قائد اور پاکستانی رجحانات کے علمبردار چوہدری ظہور الٰہی جب آمروں کے خلاف جمہوریت کی بحالی کے لئے تاریخ ساز جدوجہد کرتے رہے تو وزارت داخلہ کے یہی لوگ اپنی خفیہ ڈائریوں میں انہیں ایک خطرناک شخصیت کے طور پر پیش کر کے ان کی قیدوبند کی سختیاں برداشت کرنے کا جواز پیش کرتے رہے ہیں۔ اب آپ خود وزارت داخلہ کے امیر ہیں۔ آپ کی سرپرستی میں شہید مقبول بٹ کے خطوط کی اشاعت پر پابندی نے مقبوضہ جموں کشمیر' آزاد کشمیر' پاکستان اور سمندر پار ملکوں میں ان تمام کشمیریوں میں اضطراب پیدا کر دیا ہے جو ہر حالت میں بھارتی ہندو استعمار سے آزادی چاہتے ہیں۔ اس طرح وزارت داخلہ کا ایسا حکم کوئی معمولی واقعہ یا واردات نہیں بلکہ سنگین معاملہ ہے۔ جس کا شدید ردعمل ہوسکتا ہے اور خدانخواستہ پاکستان کے لئے سنبھالنا مشکل ہوگا۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ایسا حکم جاری کر کے مقبوضہ جموں کشمیر کے عوام اور پاکستان کے درمیان ایک سیاسی' نظریاتی' ثقافتی' تمدنی اور جغرافیائی حدوں کے پلوں کو توڑنے کی ایک گہری سازش محسوس ہوتی ہے۔ اس سے قبل کہ دشمن فائدہ اٹھائے' حکم واپس لیا جائے اور اسکے ساتھ ہی ایک اعلیٰ سطح کا تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جائے۔ جو فوری طور پر جائزہ لے کہ وہ کونسی خفیہ قوت ہے۔ جس نے پاکستان اور کشمیریوں کے درمیان محاذ آرائی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

☆ محترم جناب چوہدری شجاعت حسین صاحب
وزیر داخلہ حکومت پاکستان' اسلام آباد

جی ایم مفتی۔ ایڈیٹر ہفت روزہ قائد
مظفر آباد۔ ۱۳۔۱۔۹۹

A LIVING LEGEND ...... افتخار مغل

سعید اسعد۔۔۔۔ ایک ''بلا'' کا نام ہے۔ نہیں۔۔۔ میرا خیال ہے ''بلا'' سے کچھ غلط فہمیاں پیدا ہونے کا امکان ہے اس کی بجائے ''بلا کی چیز'' کہنا زیادہ مناسب ہے۔

خوف فساد خلق سے نہیں خوف فساد سعید ہے۔ اس لئے کہ سعید اسعد جب پیار سے باتیں کرتا ہے تو لگتا ہے کہ ڈانٹ رہا ہے۔ جب عام گفتگو کرتا ہے تو لگتا ہے کہ جھگڑ رہا ہے اور ایسا آدمی اگر سچ مچ غصے میں آجائے اور لڑنا شروع ہوجائے تو کیسا لگے گا۔ میں تو تصور سے ہی کانپ اٹھتا ہوں۔

افسوس ہے کہ کتنے سخن ہائے گفتنی
خوف فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گئے

تعلیمی نفسیات میں ایک اصطلاح ہے "پرابلم چائلڈ" پرابلم چائلڈ ایسے بچے کو کہتے ہیں جو بے حد ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ un-managable بھی ہو۔ ایسا بچہ کلاس میں سما نہیں سکتا۔ اس کے لئے تدریس کی خصوصی حکمت عملی ترتیب دینی پڑتی ہے۔ سعید بھی معاشرے کی کلاس میں نہیں سما سکتا۔ اور کسی پرابلم چائلڈ کی طرح ہی un-managable بھی! اس کو سنبھالنا' اس کی ذہانتوں کا حساب رکھنا اس معاشرے کے بس کی بات نہیں۔

سعید سے پہلی ملاقات بھی ایک "نائب میٹر" کی طرح یاد آتی ہے۔ نثار ہمدانی نے سعید سے ملوایا تو مجھے لگا نثار خود مجھ سے میری ملاقات کرا رہا ہے۔ میں نے اپنے آپ میں سعید جیسی ایک بھی خوبی نہیں دیکھی لیکن سعید میں اپنے جیسی بہت سے "خامیاں" بہت سی "دیوانگیاں" دیکھی ہیں۔ سعید بھی میری طرح نرم لہجے میں بولنے سے معذور ہے۔ میری طرح منافقت کرنے سے معذور ہے۔

لیکن سعید اس معاشرے کے لاکھوں صحت مند نوجوان کی طرح معذور نہیں ہے۔ وہ مجسم سرگرمی ہے۔ اس کو کام کرتے دیکھ کر دیکھنے والا تھک جاتا ہے لیکن سعید کبھی نہیں تھکتا۔۔۔ کام بھی کیسا۔۔۔ تحقیق جیسا تھکا دینے والا کام۔ اُسے تحقیق سے عشق ہے وہ حقیقتوں کی روح تک اتر جانے کی صلاحیت اور ہمت رکھتا ہے۔ وہ تحقیق کا بدھا ہے۔ He is living legend of research اس کے کام اور کام کے معاملے میں اس کی بے چینیوں کو دیکھ کر کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ ملک اور اس ملک کے سارے راز سعید اسعد کے لئے بہت کم پڑ جائیں گے۔ یہ سعید کا جنون علم و تحقیق ہی ہے کہ غالباً آزاد کشمیر کا ہر پڑھا لکھا آدمی سعید اسعد سے واقف ہے۔

علم کے لئے حلم شرط ہے۔ سعید کو غالباً کھانے میں حلیم بہت پسند ہے اسی لئے بہت حلیم الطبع ہے۔ ویسے کسرنفسی اچھی چیز ہے لیکن نفس کی کسریں اتنی بھی نہ اڑا دی جائیں کہ آدمی زیرو بلکہ منفی ہو کر رہ جائے۔ سعید اس معاملے میں اتنا "بے پناہ" ہے کہ اگر اس کے کسی کام کی بالکل جائز تعریف بھی کی جائے تو گلے پڑ جاتا ہے حتیٰ کہ کسی سے تعارف کراتے وقت یہ تک کہہ دیا جائے یہ بڑے پڑھے لکھے اور لکھنے پڑھنے سے محبت رکھنے والے آدمی ہیں تو باقاعدہ ڈانٹ دیتا ہے اور ایسی خفگی کا مظاہرہ کرتا ہے کہ شائد بے چارہ "اُکا" ان پڑھ آدمی ہے اور پڑھا لکھا کہہ کر اس کو چڑایا جا رہا ہے۔ اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ سعید کو صرف یہ کہنا ہے کہ جو لوگ اپنی جائز تعریف سننے کا بھی حوصلہ نہیں رکھتے وہ ناجائز تعریفیں سننے والوں کی طرح ہی ظالم ہوتے ہیں۔ اگر ناجائز تعریف اور خوشامد کرنا ظلم ہے تو جائز تعریف نہ کرنا کسی کے اچھے کاموں کو خراج تحسین پیش نہ کرنا اس سے بڑا ظلم ہے۔

سعید کی شخصیت کا سب سے بڑا حسن اس کی وطن دوستی ہے۔ میں نے اپنی مٹی اور اس کی خوشبوں سے محبت کرنے والے ایسی لوگ کم ہی دیکھے ہیں۔ اگلے دن میں اور سعید راولپنڈی سے مظفر آباد کیلئے سفر کر رہے تھے۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ اس دن سعید خوشی اور ترنگ میں تھا۔ کسی اندرونی سرخوشی' کسی باطنی مسرت سے بج رہا تھا۔ کریدنے پر معلوم ہوا کہ اسے شہید مقبول بٹ کے جیل سے لکھے ہوئے کچھ خطوط ہاتھ آئے ہیں جنہیں وہ کتابی صورت میں شائع کرنا چاہتا ہے۔ میں سوچتا ہوں اگر کسی شخص کو سارے جہاں کی دولت مل جائے تو اتنا خوش نہیں ہو سکتا جتنا سعید ان چند خطوط کو پا کر خوش تھا۔ مجوزہ کتاب کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے سعید کی آواز خوشی سے بھرا گئی تھی۔ سعید فرشتوں جیسی معصومیت اور بچوں جیسی سرخوشی سے بار بار کہہ رہا تھا۔

ذرا تصور تو کرو' یہ کتنی خوبصورت چیز بنے گی۔۔۔ ذرا تصور تو کرو' اسی سرخوشی کے عالم میں سعید نے ان خطوط میں سے ایک کی عکسی نقل نکالی اور کپکپاتے ہوئے ہاتھ سے مجھے تھمانے لگا تو میں نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ شدید سردی میں بھی پسینے سے تر ہو گئے ہیں۔ میں نے اس کے پسینے میں نہائے ہوئے ہاتھوں پر حیرت کا اظہار کیا تو سعید نے اس سے بھی حیرت سے پوچھا' اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے' دیکھ نہیں رہے میں نے کیا چیز اٹھا رکھی ہے'' اس لمحے عقیدت سے میرا سر جھک گیا اور میرا دل چاہا کہ میں اس خوبصورت اور عظیم انسان کے پاؤں چوم لوں!

(ہفت روزہ کشیر راولپنڈی ۱۶-۲۶ جنوری ۱۹۹۶ء)

صدا دے گی تو حشر ہوگا

.....افتخار مغل

یوسفی صاحب نے ٹھیک ہی لکھا تھا کہ ''مطلق العنانیت کی جڑیں دراصل مطلق الانانیت میں پیوست ہوتی ہیں''۔ آپ کہیں گے کہ عنانیت اور انانیت کی جڑیں ہی نہیں ہوتی۔ ہماری گذارش ہے کہ بات جڑوں کی نہیں بلکہ ''نیت'' کی ہے۔ جو دونوں میں مشترک ہے! اگر ''نیت'' خراب ہو تو بھاری بوٹوں اور بھاری مینڈیٹوں میں ''ککھ'' فرق نہیں۔ دونوں کے حاملین کے پاؤں بھاری ہونے لگتے ہیں اور سر ہلکے! چنانچہ رجیم (Regime) گزرنے کے بعد لوگ یوسفی صاحب کے مرزا اور عبدالودود بیگ کی طرح۔۔۔ ہر رجیم کو ''من الشیطٰن الرجیم'' والا ''رجیم'' ہی قرار دیتے ہیں۔

اگر خدانخواستہ آمروں کے سروں پر سینگ اگ آتے تو ہمارے بڑے بڑے ہیوی مینڈیٹر عوامی اور جمہوری حکمران بارہ سنگے (بلکہ تیرہ سنگے) نظر آتے اور ایک دوسرے سے ملتے وقت پوچھتے ''سنگے حال چال دے؟'' جمہوری حکومتوں کے ''ہیوی منڈیٹر'' عدالتوں کی توہین نہیں کرتے' توہین کو عدالت کا نام دے دیتے ہیں۔

ہر کہ آمد نت عدالت نو ساخت

ہماری داخلے کی وزارت نے ''داخلے شروع ہیں'' کا جو حالیہ ملک گیر اشتہار دیا ہے اس نے آگے چل کر جو نصاب متعارف کرانا ہے وہ نوشتہ دیوار ہے۔ جنہیں پڑھنا آتا ہے وہ یہ نوشتہ دیوار ابھی سے پڑھ سکتے ہیں۔

جب اعلیٰ عدالتوں کے معزز اور محترم جج صاحبان اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگیں تو مہذب معاشروں میں انہیں تحفظ فراہم کیا جاتا ہے اور ہمارے معاشرے میں فوجی عدالتیں قائم ہونے لگتی ہیں' اسمبلیوں کو معطل اور اعلیٰ عدالتوں کو عضو معطل کر کے ''ملک گیری'' کے دیہاڑی دار تو مطمئن ہو سکتے ہیں لیکن جن پر باطن ایام روشن ہے انہیں شجر وطن کی شاخوں پر الو ہی نہیں الو کے پٹھے بھی صاف نظر آ رہے ہیں۔

ہمارے خیال میں ''صدا دے گی تو حشر ہوگا'' والا مفروضہ اب بہت پرانا ہو گیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وطن عزیز میں آج یوم حشر کی گولڈن جوبلی تقریبات منائی جا رہی ہوتی اور قومی ذرائع ابلاغ اپنی طویل ترین دورانیے کی نشریات میں حشر کو نشر کر رہے ہوتے۔ کراچی میں کیا ہو رہا ہے پنجاب میں کیا ہونے والا ہے' یہ سب کچھ تو ایک کھلا راز ہے لیکن وزارت میں ''داخلے'' لینے والے داخلے کی ضرورت کے ذریعے کشمیر میں جس ''منی سیریل'' کی سر پرستی کر رہے ہیں وہ کوئی ڈیوائن کونڈی نہیں ایک ڈیوائن ٹریجڈی ہے۔

وفاقی وزارت داخلہ کے ایک حالیہ نادر شاہی حکم کی رو سے یہاں (آزاد کشمیر میں) ایک کتاب کو ممنوع

قرار دیا گیا ہے "شعور فردا" نامی اس کتاب کا موضوع بھی "شعور فردا" ہی ہے کہ اس میں عظیم کشمیری حریت پسند شہید مقبول بٹ کے خطوط ہیں۔ وزارت داخلہ کے ارباب بے تدبیر کا خیال ہے کہ اس کتاب کی اشاعت نے کشمیر میں خود ارادی کی تحریک کو انگیخت کیا ہے چنانچہ اس کی فروخت الحاقی نظریات کو کمزور کرتی ہے۔

آنکھوں کے اندھے پن سے اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا نقصان عقل کے اندھے پن سے ہوتا ہے۔ چنانچہ پابندیاں لگانے والوں کو کون بتائے کہ پابندی لگنے کے بعد کتاب کی قدر و قیمت میں ہی نہیں اس کی سرکولیشن میں بھی ناقابل یقین حد تک اضافہ ہو گیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ 100 روپے کی کتاب کی فوٹو کاپی 200 روپے میں میسر ہے اور وہ کشمیری نوجوان جو پہلے کبھی اس کتاب کو نہ پڑھتے اب نہ صرف اس کو پڑھ رہے ہیں بلکہ ایک مقدس امانت کی طرح اس کو سینوں سے سینوں اور سینوں سے سینوں پر منتقل کر رہے ہیں۔ اس عاقبت نااندیشی کا ایک معتبر نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ اب نوجوانوں نے یہ نعرہ لگانا شروع کر دیا ہے کہ "شعور فردا کو پڑھو۔۔۔ مطالعہ پاکستان کو پھاڑو"۔ فردا کے شعور پر تو بڑے سے بڑا مطلق العنان (اور مطلق الانان) پابندی نہیں لگا سکا۔ بات صرف مطلق العنانیت اور مطلق الانانیت کی "نیت" ظاہر کرنے والی ہے' اس حوالے سے ہمیں صرف اتنا کہنا ہے کہ مکالے کا دروازہ بند کرنے کا نتیجہ کبھی بھی اچھا نہیں نکلتا۔ جبر کے ذریعے قائم ہونے والے رشتے کمزور ہوتے ہیں یہ سرحد کے اس پار والوں سے پوچھ لیجئے کہ گڑ کھا کر مرنے والوں کو زہر کی ضرورت نہیں۔ یہ پالیسی ماضی میں کارگر رہی ہو تو اور بات ہے' فردا میں مزید نہیں چل سکتی۔ (ماهنامه انتخاب ایشیا)

شعور کی توہین

......عارف بہار۔ مظفر آباد

کئی ہفتے گزر گئے' مجھے "شعور فردا" نامی ایک کتاب کی تلاش ہے لیکن تاحال دستیاب نہیں ہو سکی' لیکن اب میں یہ کتاب کسی نہ کسی ذریعے سے حاصل کر کے پڑھوں گا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ کتاب افسانوں کا مجموعہ ہے نہ تازہ ترین سیاسی حالات پر انکشاف سے بھرپور ہے بلکہ برسا برس سے اخبارات میں چھپنے والے خطوط کا ایک مجموعہ ہے۔ جو سینکڑوں لوگوں نے جانے کتنی بار اخبارات و رسائل میں پڑھے ہوں گے۔ لیکن اس کے باوجود میں "شعور فردا" پڑھنا چاہتا ہوں کیونکہ وزارت داخلہ نے اس کتاب کی فروخت پر پابندی عائد کر دی ہے۔ اور اب یہ تجسس بڑھ گیا ہے کہ اس کتاب میں پابندی لگائے جانے والی کونسی بات ہے؟

جب بھی حکومتوں اور اداروں کی عقل ماؤف ہو جائے تو وہ مدمقابل کو ابھارنے لگتے ہیں اور مدمقابل کو ابھارنے کا بہترین طریقہ اسے دبانا ہوتا ہے۔ نیوٹن کے قانون کے تحت کہ ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے۔ جب بھی کسی جماعت' نظریئے یا چند افراد کو سختی سے دبایا جائے تو وہ پھیل جاتے ہیں۔ "شعور فردا" جو محض ایک مرتب کردہ کتاب کا نام تھا اب ایک افسانے کی صورت اختیار کر رہی ہے۔ اور ہر طرف سے اس کی فروخت پر پابندی اٹھانے کا مطالبہ ہو رہا ہے۔ شعور فردا نامی کتاب کشمیر کے حریت پسند راہنما محمد مقبول بٹ کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو انہوں نے جیل سے وقتاً فوقتاً لکھے۔ ان خطوط میں اس دور کے پاکستانی حکمرانوں کی پالیسیوں کو ہدف تنقید بنایا گیا۔ یہ خطوط اخبارات میں چھپتے رہے ہیں۔ کئی عشروں کے بعد ان خطوط کو ایک نوجوان قلمکار سعید اسعد نے کتابی شکل دی اور حکومت نے اس کتاب کی پبلسٹی کا ٹھیکہ اٹھا لیا۔ وزارت داخلہ نے حکومت آزاد کشمیر کو خط لکھ کر اس کتاب کی

فروخت پر پابندی عائد کرادی اور کتاب گھروں سے "شعورِ فردا" کو اٹھا لیا گیا۔ نتیجتاً جہاں ایک طرف کتاب پر پابندی کا فیصلہ اٹھانے کا مطالبہ شدت سے ہونے لگا وہیں کتاب کی طلب بھی بڑھ گئی۔ کئی صحافیوں اور دانشوروں نے وزیر داخلہ چوہدری شجاعت حسین کو خط لکھ کر پابندی کے فیصلے پر نظرِ ثانی کا مطالبہ کیا۔ جبکہ آزاد کشمیر کی قوم پرست جماعتیں اس مطالبے کو ایک مہم کی شکل دے چکی ہیں۔ جبکہ مقبوضہ کشمیر کے ایک راہنما شبیر شاہ نے اس فیصلے کو قابلِ افسوس قرار دیتے ہوئے پابندی اٹھانے کا مطالبہ کیا۔ سعید اسعد پنجاب یونیورسٹی کے پوسٹ گریجویٹ نوجوان مصنف ہیں جو نہ کشمیر کو خود مختار بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ اسے پاکستان سے ملنے سے روکنے کے وسائل رکھتے ہیں۔ ان کی سرگرمیوں کو ایک قلم کار کے شوق جنون سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ کشمیر کو کیا بنانا ہے؟ یہ فیصلہ واشنگٹن میں ہو رہا ہے اور پاکستان کے حکمران اور اسٹیبلشمنٹ اس سارے عمل میں شریک ہے۔ جبکہ کشمیری سیاستدان تو اپنے انگوٹھوں پر سیاہی مل کر تیار بیٹھے ہیں۔ عوام اور قلم کار بے چارے تو کسی گنتی میں ہی نہیں۔

تحریر و تقریر کی آزادی ایک فرد اور معاشرے کا حق ہے۔ اس حق سے کسی کو محروم کرنا انسانی شعور کی توہین ہوتی ہے۔ جب مکالمے اور تحریر کی آزادی ختم کر دی جائے تو کلاشنکوف نکل پڑتی ہے۔ اس لئے کسی بھی معاشرے کی بقا اور استحکام کے لئے ضروری ہے کہ پر امن طور پر کتھارسس کے راستے بند نہ کئے جائیں۔ تازہ ہوا کے جھونکوں کے لئے کھڑکیاں کھلی رکھی جائیں۔ ورنہ معاشرہ تعفن اور وحشت کی زد میں آ تا ہے۔

"شعورِ فردا" میں اگر کشمیر پالیسی پر تنقید کی گئی ہے تو اسے ہضم کرنے کا حوصلہ پیدا کیا جانا چاہیے۔ آج بہت سے لوگ ایسے ہیں جو پاکستان سے محبت اور عقیدت کے باوجود پاکستان کی بے سمت اور مبہم کشمیر پالیسی کے ساتھ ہیں۔ جنہوں نے 75 ہزار افراد کی قربانی دی ہے انہیں فریاد کے حق سے محروم کرنا قرین انصاف نہیں۔ جنرل ضیاء الحق کو پاکستان کی محبت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن کشمیر میں قوم پرستی کی جس قدر سرپرستی اس دور میں ہوئی اس کی مثال کہیں بھی نہیں ملتی۔ اس دور میں مقبوضہ کشمیر میں نظریہ خود مختار کشمیر کو مقبول عام بنانے کے لئے اسلام آباد کے نہاں خانوں میں کیا منصوبہ بندی ہوئی۔ اس سے کون واقف نہیں ...... یہی وجہ ہے کہ ایک معروف کشمیری قوم پرست دانشور اور لیڈر راجہ مظفر نے یہ اعتراف کیا تھا کہ "ہم صرف اس کشمیر پالیسی سے مطمئن تھے جو بستی لال کمال میں جل کر راکھ ہو گئی تھی" ...... ایسے بڑے بڑے کھیل کھیلنا سعید اسعد جیسے قلمکاروں کے بس میں نہیں اور نہ کتاب پڑھ کر ایسے پراسرار کھیل کے اصول اور ضوابط سیکھے جاتے ہیں ...... قلم کار کی سازش کا دائرہ بس اتنا ہوتا ہے کہ وہ اپنے محسوسات کو لفظوں کی شکل دیتا ہے۔ اب کسی کے اندر کا چور ان لفظوں کو تیر سمجھ لے تو اس میں قلم کار کا کیا قصور ..... سعید اسعد بھی ہر قلم کار کی طرح اس کھیل میں معصوم ہے۔ اس نے کبھی یہ نہیں سوچا ہو گا کہ وہ جو لفظ مرتب کر رہا ہے کسی کو تیر محسوس ہوں گے۔ (روزنامہ جسارت ..... کراچی)

شعورِ فردا اور قلم فائر

تحریر: ذوالفقار حید ر راجہ

تحریک آزادی کشمیر کے عظیم ترعسکری و سیاسی پیشوا محمد مقبول بٹ شہید کے بھارتی جیلوں سے لکھے گئے خطوط پر حال ہی میں آزاد کشمیر کے ایک نوجوان محقق اور روشن خیال دانشور محمد سعید اسعد کی مرتبہ کتاب "شعورِ فردا"

حکومت پاکستان کے محکمہ داخلہ کے خصوصی حکمنامہ نمبر No. 2-10-98-Security III کے تحت تمام ملک میں شب خون مارا گیا اور تمام ملک میں اس کی فروخت خلاف قانون قرار دی گئی۔ اس کتاب کی ضبطی اور اس کی خرید و فروخت پر پابندی کی خبر تمام اردو روزناموں میں شائع ہوئی۔ تمام قارئین یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس کتاب کو کن وجوہات کی بنیاد پر قابلِ ضبطی تصور کیا گیا۔ اور اس حکومتی فرمان کے پس پردہ حقائق کیا ہیں۔ شہید کشمیر محمد مقبول بٹ کشمیر کی ستم رسیدہ خاک کے خمیر سے جنم لینے والا وہ سپوت تھا جس نے قومی آزادی، انسانی عظمت اور آبرو کے ارفع مقاصد کے حصول کی خاطر جاں نثاری اور ایثار و قربانی کی رسم شبیری تازہ کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ مقبول بٹ نے کشمیر کے سوا کروڑ انسانوں کو واقعتاً انسان ہونے کا احساس دلایا۔ اور ان کے تن مردہ میں غیرت قومی اور حمیت کی بجلی دوڑائی۔ غلامی کی زنجیروں میں جکڑی اور استعمار کے ہاتھوں ٹکڑوں میں بٹی آزادی کے نام سے اجنبی اور حریت فکر و عمل کے عقائد سے نابلد قوم میں جذبہ ابھارنا کسی معجزے سے کم نہ تھا۔

قارئین گرامی! کشمیر کے اندر اور کشمیر کے باہر برسوں سے قوم دشمن اور آزادی مخالف طبقہ تواتر و تسلسل سے جہاد آزادی کے اس سب سے بڑے سرخیل کے مذہبی عقائد فکری افق اور شخصی کردار کے تئیں ہزار طرح کی ہرزہ سرائی کرتے چلے آرہے ہیں۔ ایسے میں وقت کی اہم ضرورت تھی کہ شہید کشمیر کی فکری و دائمی حقائق کے آئینہ دار ان تحریروں کو ضبط عام پر لایا جاتا تا کہ تحریک آزادی کشمیر پر اثر انداز ہونے والے موجودہ صدی کے اس عظیم مجاہد کی شخصیت کے بارے میں شکم پرست قلم کاروں اور مادر فروش سیاسی پنڈتوں کی یاوہ گوئی کا مثبت جواب دیا جا سکتا۔ ایسے میں بھارت کے مختلف جیلوں سے لکھے گئے شہید کشمیر کے خطوط کی تدوین و تالیف "آزادی و غیرت ملی کی تڑپ رکھنے والے طبقات کے لیے ایک مژدہ جاں فزا تھا۔ لیکن انسانوں کی آنکھوں پر کھوپے چڑھانے، کانوں میں سیسہ ڈالنے اور ہونٹوں کو سینے والے غاصب نمرود کے حاشیہ برداروں کو کشمیری قوم کے جوانوں کو قوم کے مستقبل اور فکری آراستگی کا یہ درس ناگوار گزرا اور صدیوں سے آزمودہ استعماری ہتھکنڈوں کو بروئے کار لایا گیا۔

قارئین گرامی! زندہ اور حریت فکر کے زیور سے آراستہ انسانوں کا شیوہ رہا ہے کہ دلیل کا جواب دلیل سے دیا جائے نہ کہ قوت و استبداد سے یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ جس کتاب کو کشمیری نوجوانوں میں قوم پرستی کے جذبات ابھارنے کا وسیلہ قرار دیکر ناقابل اشاعت گردانا گیا۔ وہ تو بھارتی استعماری قوت کے خلاف کشمیریوں کی فکری لام بندی اور قوم یکجہتی کا درس رکھتی ہے۔ اس کی ضبطی سے تو صرف بھارتی استعمار کو ہی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ بھارت جو اپنی فلم انڈسٹری کی چکا چوند کے ہتھیار سے نظریہ پاکستان کو چاروں شانے چت کرنے پر ادھار کھا بیٹھا ہے اور بھارتی فلموں اور گیتوں کے ذریعے سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ہر گھر میں بھارتی تہذیب و ثقافت کی ترویج و اشاعت کی جا رہی ہے جو کہ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے لیے عظیم خطرہ ہے لیکن حکمران اس نظریاتی دہشت گردی اور تخریب کاری کے بھیانک نتائج سے بے خبر بھارتی حکمرانوں کے ساتھ تعلقات کی استواری کی خاطر بیقرار نظر آرہے ہیں۔ ہم جنسی کے موضوع پر بننے والی متنازع بھارتی فلم "فائر" جس کی نمائش کے خلاف بھارت کے مختلف شہروں میں انتہا پسند ہندوؤں نے جلوس نکالے۔ لیکن وہ فلم جسے ہندو سماج دیکھنے سے شرماتا ہے پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں ہاتھوں ہاتھ بک رہی ہے اور بین الاقوامی تشہیر کی وجہ سے اس کی طلب میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ شرم کا مقام ہے کہ پاکستان کی سلامتی اور نظریہ پاکستان کی خاطر زہر ہلاہل کا درجہ رکھنے والی اس ثقافتی یلغار کا سدباب کرنے کی بجائے حکمران کشمیری قوم میں شعور و فکر کے فروغ کی علمی کوششوں پر

پابندیوں جیسے اوچھے اور عاقبت نااندیشانہ اقدامات کے ذریعے کشمیری عوام اور باشعور طبقے میں پہلے سے موجود
احساس محرومی کو زیادہ تقویت دے رہے ہیں۔ پاکستان کی وزارت داخلہ نے کتاب پر پابندی لگا کر "بھارتی
دوستوں" کو خوش کیا ہے اور بالخصوص جب سے پاکستان کی موجودہ حکومت برسر اقتدار آئی ہے ایسا لگتا ہے کہ اس
نے بھارت سے مسئلہ کشمیر پر کوئی خفیہ ڈیل" کر لی ہے اور بھارت کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھانے والے حکمران
کیا ان سوالات کا جواب کسی بھی کشمیری کو دے سکیں گے کہ دلیپ کمار ایوارڈ۔ مسئلہ کشمیر پر "مثبت پیش رفت"
نہاری پراٹھے کی دعوتیں اور آموں کے تحفے" کشمیریوں کو بے غیرتی کا سرٹیفکیٹ دینے والے انتہائی نااہل اور ان
پڑھ شخص کو کشمیر کمیٹی کا چیئرمین بنانا بھارت کو "موسٹ فیورٹ نیشن" قرار دے کر آلو پیاز کی تجارت اور پاک بھارت
مشترکہ تجارتی منڈی کی تجویز کشمیریوں کے آباؤ اجداد کی قبروں پر بنے ڈیم جس کا پانی عموماً بھارت کی طرف سے
کشمیریوں کے بہائے جانے والے خون سے رنگین ہوتا ہے کی بجلی بھارت کو فروخت کر کے بھارت کی معیشت کو
بچانا" لاہور دہلی بس سروس کا آغاز" کرکٹ وہاکی کی خیر سگالی دورے اور اب "اتفاق فاؤنڈری" کے کاروبار کو
بھارت کے اسی کروڑ عوام کی منڈی میں متعارف کروانا" کشمیر دوستی اور مسئلہ کشمیر کی کون سی وکالت ہے؟ کیا درج
بالا اقدامات درست ہیں اور ریاست جموں کشمیر میں شعور آزادی کا درس دینے والی کتاب جس میں کشمیریوں کے
قائداعظم کے خطوط نہ صرف دنیا کی غلام اقوام کو آزادی کا درس دے رہے ہیں بلکہ ان میں غلامی' فرسودگی'
قدامت پسندی' استحصال' ریاکاری' بخل' ظلم' منافقت' برادری ازم' قبیلائی تعصب' فرقہ واریت اور جہالت
سے نفرت کا درس بھی موجود ہے اور ان برائیوں سے دنیا بھر میں بسنے والے 6 ارب انسان استفادہ کر سکتے ہیں۔
کیا اس کتاب پر پابندی درست اقدام ہے؟ قارئین گرامی! یہ حقیقت تاریخ انسانی کے اوراق پر جابجا بکھری پڑی
نظر آتی ہے کہ قلم اور فکر پر قدغن لگانے والوں کو سوائے عرق ندامت کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا کہ اور اپنے فکر
اور شعور پر غاصبوں کے اس طرز کے شب خون برداشت کر لینے والی قوم کا مقدر اجتماعی خودکشی کی بھیانک بربادی
کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

جو قوم دیا کرتی ہے تاوان میں آنکھیں
نابینا جنم لیتی ہے اولاد بھی اس کی

اب "شعور فردا" کشمیر اور دنیا کی تواریخ کے نصابوں میں شامل ہو چکی ہے اور اس کا نقش مٹانا ممکن نہ ہوگا۔

روزنامہ کائنات۔ اسلام آباد (11 فروری 1999ء)

آج ہم دار پہ کھینچے گئے جن باتوں پر
کیا عجب کل وہ زمانے کو نصابوں میں ملیں
بٹ کتنے سادہ ہیں تیرا نام مٹانے والے
پتھر کی لکیریں بھی کبھی مٹا کرتی ہیں

پولیس نے کتاب ضبط کرتے
وقت رسید بھی دے دی۔

تصدیق [illegible] صاحب کتاب بعنوان شعور فردا
تعداد 20 عدد [illegible] بحق [illegible] ضبطی
[illegible] 4/2/99

[illegible]

[illegible]

نامے میرے نام

۱۔ رشید حسرت۔ کراچی (یکم مئی ۱۹۹۸ء) ”آپ کی جدوجہد اور محنت کا نچوڑ“ ”شعورِ فردا“ پڑھی اور پڑھ کر ایسا محسوس ہوا جیسے فرزندِ کشمیر مقبول بٹ شہید سے ملاقات کا شرف حاصل ہو گیا ہے اور آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ وطن کی خاطر قربان ہونے والوں کیلئے آپ درد دل رکھتے ہیں۔ آپ کی فکر محبِ وطن ہونے کی عکاسی کرتی ہے۔ لہٰذا قوم پرستوں کا وطن پرستوں سے پیار ایک فطری عمل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مادرِ وطن کے عظیم انقلابی سپوت جناب قائد تحریک مقبول بٹ شہید جن کے نظریات و افکار کی نسبت میں آپ کو ٹوٹے پھوٹے چند الفاظ تحریر کر رہا ہوں۔ اس مینارۂ نور کی روشنی وطن کے چپے چپے تک پہنچے گی۔ اب غلام وطن کے اندر ہم آزادی کا سورج طلوع ہوتے ضرور دیکھیں گے۔ اپنے وطن کی آزاد فضاؤں میں ہم آزادی کے گیت مل کر گنگنائیں گے۔ انشاءاللہ۔

۲۔ محمد شعیب چغتائی۔ کراچی (۲ مئی ۱۹۹۸ء) میں نے NLF میں شمولیت کا اعلان کیا حبیب کشمیری اور ان کے دیگر سینئر دوست بھی وہاں موجود تھے۔ مجھے مبارک باد کے ساتھ ساتھ جو سب سے پہلے تحفہ ملا وہ ”شعورِ فردا“ ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر میں نے جو محسوس کیا اُسے اپنی تحریر میں نہیں لا سکتا۔ کیونکہ اندرونی کیفیت کو تحریر میں سمونا آپ جیسے صاحب علم ادیب لوگوں کا کام ہے یہ فن آپ جیسے لوگوں کو ہی آتا ہے۔ البتہ ایک چیز نے میرے اندر عجیب کیفیت پیدا کی وہ آپ کی یہ عظیم کاوش ہے جس کے نتیجے میں مادرِ وطن کے عظیم سپوت محمد مقبول بٹ شہید کے فکر انگیز خطوط کتابی صورت میں یکجا ہوئے ہیں۔ بلاشبہ آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اللہ کرے وطن سے محبت اور وطن کے شہیدوں سے محبت آپ کے شاملِ حال رہے۔ آپ کی نیک کاوشوں میں اضافہ ہو۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

۳۔ ڈاکٹر محمد صغیر خان۔ راولاکوٹ (۲۶ جنوری ۱۹۹۹ء) چند روز قبل سنا کہ آپ کے ساتھ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ کہ یہاں شعور و آگہی رکھنا جرم ہے تو اس کو بانٹنا جرمِ عظیم۔ لہٰذا اس جرم کے مرتکب ہر فرد کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ منصور ہو یا سقراط، جوش ہو یا سعید اسعد۔ لہٰذا ”شعورِ فردا“ پر پابندی کی خبر سے مجھے بے پناہ اطمینان ہوا اور خوشی بھی۔ کہ ہر سچے تخلیق کار کی طرح سعید اسعد کی ”حق پرستی“ کو بھی مان ہی لیا گیا۔ بہت جلدی۔ شاید زمانہ تیز رفتاری کا ہے۔ بھیا۔ سچا اور سُچا جذبہ، حقیقی فن اور مقصد کی لگن۔ ایسی خوشبو ہیں کہ سات پردوں میں چھپے نہیں چھپتی۔ حکومتی فیصلے۔ عاجلانہ اقدام۔ ان کو کیا اسیر کر سکے ہیں؟ کیا اب ایسا ہوگا؟ میری طرف سے ”قبولِ عام“ کی اس سند پر مبارکباد قبول لیجئے گا........ یہ عمل آپ، مقبول بٹ اور ان کے سچے نظریات کی حقانیت کا ثبوت ہے اور شیشے کے گھروں میں بیٹھنے والوں کی ”ذہنی بلندی“ کا عکاس بھی۔ بھیا!...... یہ خط آپ کو تسلی دینے کے لیے لکھ رہا ہوں نہ ”پرسا“ دینا مطلوب ہے بلکہ میں تو آپ کو ”لکھ مبارکاں“ کہنا چاہتا ہوں۔ اور اگر اجازت ہو تو کھل کھلا کر کہوں ”شاوا بھئی شاوا“۔ ”شعورِ فردا“ پر پابندی کے حوالے سے مجھے یہ کہنا ہے کہ کہیں روشنی، ہوا اور خوشبو کو پابند کیا جا سکتا ہے۔ ”شعورِ فردا“ کی صورت پھیلنے والی آگاہی و ادراک کو حکومتی احکامات روک سکیں گے؟ پابندی کتاب ھذا میں ”کچھ ہے اور بہت کچھ ہے“ کا کھلا پتہ ہے اور انوکھا اظہار بھی۔

۴۔ سردار جاوید حیات۔ راولپنڈی (۱۱ فروری ۱۹۹۹ء) برادرِ محترم! بٹ صاحب کے خطوط پر مبنی ”شعورِ فردا“ جو کہ آپ کی سالوں کی کوششوں کا نچوڑ ہے۔ اگر میں صرف یہ کہوں کہ یہ ایک اچھی کاوش ہے تو نہ صرف آپ سے بلکہ کتاب اور بٹ صاحب کی ذات کے ساتھ بھی زیادتی ہوگی۔ محترم مجھے عرصہ سات آٹھ سال سے تحریک آزادی کے حوالے سے کام کرنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ اس عرصے کے دوران میں نے اس بات کو پوری طرح محسوس کیا کہ مقبول بٹ شہید کے کردار، نظریات و افکار اور جدوجہد کی حقیقی تصویر ابھی تک سامنے نہیں آ سکی۔ تقریباً

تین سال قبل ایک دوست نے بتایا کہ محترم سعید صاحب اس حوالے سے کام کر رہے ہیں۔ اس سے قبل سفیر حریت کا مطالعہ بھی کیا مگر تشنگی ہی رہی ''شعورِ فردا'' پڑھنے کے بعد مقبول بٹ شہید کی حقیقی تصویر ابھر کر ذہن کے پردہ سکرین پر عیاں ہو جاتی ہے۔ شعورِ فردا پڑھنے کے بعد پہلی بار احساس ہوا کہ بٹ شہید بہت اچھے مسلمان بلکہ مومن تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس سے قبل میرے پڑھنے سننے میں یہی آتا رہا کہ بٹ شہید سیکولر ذہن کے حامل تھے۔ مگر ان کے خطوط جگہ جگہ اس بات کا ثبوت دے رہے ہیں کہ عقیدے کے اعتبار سے وہ کس قدر مضبوط اعتقاد کے حامل تھے .... مختصراً یہی کہوں گا کہ ''شعورِ فردا'' ایسا اثاثہ ہے جو آئندہ نسلوں کو تحریک آزادی کے پس منظر، کردار، نظریات و جدوجہد کو جاننے میں معاون ثابت ہوگی۔ محترم امیر ابس چلے تو میں اسے اپنے نصاب تعلیم کا حصہ بنا دوں۔ خیر ایک دن یہ بھی ہو کر رہے گا۔ کشمیری نوجوان نسل کو ماضی، حال اور مستقبل کا جو آئینہ آپ دکھا رہے ہیں یقیناً اس میں ہر آدمی اپنا چہرہ دیکھ کر اپنے حقوق و فرائض اور کردار کا تعین کر سکتا ہے۔ رہا سوال پابندی کا تو یہ ایک لحاظ سے اچھا ہے کیونکہ جو لوگ نہیں جانتے تھے وہ بھی جاننے کی کوشش کریں گے اور ان کی یہ کوشش تحریک آزادی کشمیر کے لئے مثبت رجحان کو فروغ دے گی۔

۵۔ محمد افضل منہاس۔ (نیلم ویلی مظفر آباد) آپ کی تالیف ''شعورِ فردا'' پڑھنے کا موقع ملا۔ اس عظیم کاوش پر آپ لائق صد تحسین ہیں۔ آپ نے یہ کارِ عظیم سرانجام دے کر پوری کشمیری قوم کے ذمے جو فرض اور قرض تھا وہ ادا کر دیا ہے۔ مقبول بٹ کے مکتوبات کی عدم دستیابی کے باعث کشمیر کی نئی نسل اس عظیم فلسفی، مفکر اور جدوجہد آزادی کے سرخیل کے خیالات و افکار سے محروم ہو گئی تھی جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابن الوقت طبقے نے ان کے خلاف منفی پروپگنڈہ شروع کر رکھا تھا جو اب انشاء اللہ ختم ہو جائے گا۔ ان خطوط کا مطالعہ سے ہر شخص مقبول بٹ شہیدؒ کی شخصیت سے متعارف ہوگا۔ ان کے خیالات و افکار نئی نسل کو خضر راہ کا کام دیں گے۔ شہید کشمیر کی مذہب سے سچی لگن، مذہب کی آڑ میں تحریک آزادی کے نام پر کاروبار کرنے والوں کے منہ پر طمانچہ ثابت ہوگا۔ جہاں تک حکومت پاکستان کی طرف سے ۔ ابندی کا سوال ہے اس ضمن میں اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ کتاب کشمیر کاز کو نقصان نہیں پہنچا رہی تا ہم کچھ وظیفہ خور افراد کو نقصان ضرور ہوا ہے۔

اور برسوں گا اگر لوٹاؤ گے آواز میری   اتنا برسوں گا کہ صدیوں کو سنا دوں گا

آپ کی یہ تالیف صدیوں تک زندہ و تابندہ رہے گی۔ حق پر قدغن لگانے والے عنقریب نامراد ہوں گے۔ تاریخ میں ان کا نام و نشان تک نہ ہوگا۔

۶۔ ڈاکٹر عبدالرحمان عبد۔ نیویارک (۷ فروری ۱۹۹۹ء) ایک دوست نے کشمیری ہونے کے ناطے سے ''شعورِ فردا'' کا نسخہ برائے مطالعہ عنایت کیا تو میں آپ سے اور نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز سے متعارف ہوا۔ اس تعارف نے آپ سے ملاقات اور انسٹی ٹیوٹ سے وابستگی کی تڑپ پیدا کر دی اور میں نے ضروری سمجھا کہ میں آپ سے قلمی رابطہ کروں۔ اولاً تو ''شعورِ فردا'' جیسے گراں مایہ اور عدیم المثال تحفے کے خالق ہونے پر میری دلی مبارکباد قبول فرمایئے۔ یہ تخلیق تاریخ و تحریک آزادی کشمیر اور تاریخ ریاست جموں کشمیر کا ایک مستند باب ثابت ہوگی اور اس شمع سے کئی اور شمعیں روشن ہونگی۔ فی زمانہ صرف وہی تحریریں مستند قرار دی جا سکتی ہیں جن میں لفاظی اور آراء بندی کی بجائے حقائق اور اصل دستاویزات کو پیش کیا جائے۔ آپ نے شہید کشمیر کے خطوط کو بعینہ شائع کر کے ایک عمدہ مثال قائم کی ہے۔ جس کی اہمیت لوگوں پر آہستہ آہستہ کھلے گی۔ تاریخ کا طالب علم ہونے کے باعث مجھے اس 163 صفحات 39 خطوط اور 23 برسوں پر محیط دستاویز نے وہ انمول تحفہ عنایت کر دیا ہے جو اس سے قبل کوئی اور کتاب یا تحریر نہ دے سکی۔ میں آپ کی اس کاوش کو سراہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''۔ ☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

a letter from "*watan*" (homeland). Sarwar had enclosed in his letter press-clippings abut Butt. Butt responds using a quote in English: "The end of communication is the beginning of violence where communication stops, there remains only beating, burning and hanging". Butt notes that his captures having done with beating and burning are now getting reading for hanging. In this letter also, like most others Butt expresses his resolve to face consequences and asks Sarwar to pray that God will give him courage to be steadfast. This is the only letter with a hint of complain in that Butt asks Sarwar that if his captures are so sure of his crimes then why do they keep all the files under cover.

Butt was not despondent and took every opportunity to confront his captures. So it in his letter to Malik Ghulam Sarwar dated August 15, 1981 that he accepts the suggestion to file a write petition with the Supreme Court of India.

On May 13, 1978 in his last letter to his son Shaukat Maqbool he writes to never doubt Gods mercy, not to bow down to a tyrant, to remain stead fast: "*Allah Tala Ki Rahmat See Kabi Bi Na Umaid Nahi Hoona Chaiya .... Wooh Insan Hee Kay Goo Halat Kee Samni Guthni Teek Dee. Pass Himat Aur Hoslee Ko Hamesha Apna Sahara Banaye Rakhnee Aur Halat Ka Mukabala Mardana War Kareen.*"

All letters in *Shaur-e-Farda* except one are written in Urdu. The only letter written in English is addressed to Mia Ghulam Sarwar. Acknowledging Sarwar's Eid Greetings telegram, Butt on October 15, 1981 wrote: "I cannot but appreciate your choice of remembering me on this auspic. 'us occasion, which symbolizesthe offer of improm (sic) sacrifice for on. " faith and ideals. History certainly does not offer a better example than the one prophet Abraham to idealize mans devotion and dedication to the cause hecherishes as wellas his perseverance, when on trial, in the pursuit of his beliefs. Given our weaknesses, we may not strive to such levels, yet we can surely follow in the footsteps of such great men at least according to our capacities. This, I think is an obligation which no concencious person, least of all from amongst our people can afford to forgo for because (Butt continues in Urdu: *Yeh Daur Apne Abrahim Ki Talash Me Hai Sanam Kudu Hai Jahan La-Illa-Ha-Illah)* translation: this period is our search like abraham for one and only God."

The last letter in *Shaur-e-Farda* is dated September 8, 1983, about 120 days before his execution. This is the fifth and last letter to Dr. Farooq Haider. It is written in an upbeat manner. Butt describes the progress in his defense case. He had filed a writ petition in the Indian Supreme Court. The court had upheld trail case. Butt informs that his lawyers consider their case is strong. Butt ends his letter by noting that he has left the results to God.

to Mohammad Yusuf Zargar, dated January 30, 1973. This is one of the long letters and reads like a chapter of well-written storybook. Butt reminisce his days in Baramulla, he describes the beauty of the town and the simple pleasures that he missed and longed for in the jail; Kashmiri salt tea, *kulcha* and sag. He reminds Zargar of tortures suffered and forced exile of Kashmiri freedom fighters at the hands of Indian authorities. Selfless devotion to the cause of freedom and devotion of his friends kept Butt's hope alive, he tells Zargar.

A particularly poignant letter in *Shaur-e-Farda* is from Camp Jail in Lahore dated Arpil 2, 1973. This letter is reply to a teen girl, Azira Mir, Azira's father G.M. Mir was jailed with Butt by Pakistan authorities. But consoles Azira for the hardships she and he family face with absence of their father. Butt writes about his own childhood, and the sufferings in his village at the hands of landlords during the Dogra Raj in Kashmir. Butt describes for Azira the hardships kashmiris had to face during the oppressive Dogra rule and how the village children, including Butt helped the villages to face the oppression. He describes hardships that forced Kashmiris to leave families and labor as beasts of burden in Indian Plains to feed their families; how the Kashmiri traders had to do '*pherri*'and suffered indignities as '*hatoo*'. He describes the freedom struggle from 1930 to 1947. The era of sacrifices did not end in 1947, Butt continues to tell Azira that Children of Kashmir like every slave nation have to bear the oppression of *zalim aakas* (tyrant masters) and also to fight shoulder to shoulders with their elders.

Azira in her letter must have expressed her hurtat being branded as a family member of an Indian Agent. Butt explains to her that the people of Pakistan did not label him and his colleagues as Indian spies but that the ruling class of Pakistan had. The ruling class for 25 years denied freedom and democracy in Paksitan, Butt explains. The ruling class to maintian their power had even cut up Paksitan. Butt reminds Azira that the people of Pakistan have and will continue to support Kashmiri emancipation struggle.

In the concluding paragraph, Butt reminds Azira that education is the true wealth of a human, a treasure that can never be stolen nor wasted. And, without education, man is an animal. Therefore, he advises Azira to be more attentive to her studies. This 3,000-word letter is the longest in Shaur-e-Farda. It is a good history lesson for the young generation.

During his captivity of eight years at Tihar Jail, mostly in solitary confinement, Maqbool Butt, it seems, received only one letter from Srinagar. The letter is from Mian Ghulam Sarwar. In his reply to sarwar on August 7th, 1981 Butt in a poetic prose expresses his joy at receiving

into action and keep the ultimate goal in focus. Butt maintianed this positive attitude, I believe, because of his deep abiding religious faith.

The strength of his faith is evident, as example, in his letter to Raja Muzzaffar from the death row of central jail New Delhi, on June 5, 1981. Butt ends this letter, like most others, by saying that he is living his days of captivity in "*Sabar*" and "*Shookur*" (patience and thanks - to God). Earlier in the letter Butt notes that when a man's faith and sense of purpose remain steadfast, setbacks even in thousands are a joy, because even in defeat one does not loose. Raja Muzzaffar was in Saudi Arabia, from where he communicated with Butt. Referring to Mecca, Butt notes the revolutionary inspiration of Mecca. It was from here, writes Butt, hundreds of years hence that the message to end ignorance, (*jul alat*) darkness (tariki) and force and bondage (*jabar aur gulami*) radiated. In a letter to Arshad Mahmood Ansari, on December 12,1980, Butt writes that people with faith should not be disappointed if destination is not in sight,because for people of faith life's mission is the struggle in itself. In another letter in reply to Mohammad Arif from Central Jail in New Delhi on January 16, 1981, Butt cities the examples of faith and "*Azam-ki-bulandi*" (strength of purpose) from human history.He mentions Ishmael's obedience to his father, Jesus accepting the crucifix and Mohammad despite being bloodied at Tief not giving up on his mission.

In his last letter to Akram Ullah Jaswal, on 17 June 1980, replaying about the Srinagar Government recommendation to the President of India to not pardon Butt's death sentence, Butt writes there is no room for "*paraishanen*" (concern) and "*gabrahat*" (worry)and that his only wish is that God should give him opportunity (*toufik*) to remain stead fast in his faith and purpose. Butt writes that if God accepts his martyrodom he would accept the hangman's noose happily. Butt ended most of his letters with an asking for prayers so that he can remain stead fast in his mission. He remained steadfast and for it was hung to death in Delhi's Tihar Jail.

Thirty-three out of thirty-nine letters in Shaur-e-Farda are written from Tihar Jail, starting from January 9, 1974 and ending on September 8,1983. The letters are written to nineteen individuals. Six to Dr. Farooq Haider, four each to Akram Ullah Jaswal, Mohammad Araf and Ghulam Sarwar Malik, three to Arshad Mahmood Ansari, two each to Mohammad Asgar Malik, Abdul Aziz Butt, Ghulam Sarwar Mian and Raja Muzzaffar and one each to ten others.

Maqbool Butt's attachment to his homeland and understanding of the aspiration of Kashmiri people comes through particularly from two letters. First, one is the fifth letter in the book, from Camp Jail Lahore

"***Shaur-e-Farda***" title of the book by Asad, in Urdu language means Awareness of Tomorrow. The book has thirty-nine letters written by Butt to friends and relatives over a span of two decades. The first, dated May 22, 1960, from Peshawar is to G.M. Mufti, a childhood friend of Maqbool Butt. Maqbool was 21 years old then preparing to take his Maters Degree examination from Peshawar University. He also worked as a copywriter for a Peshawar Newspaper.. In this letter Butt describes his work and studies and invites his friend for a visit. Butt had two years earlier crossed the cease-fire-line in Kashmir to the Pakistan side, to escape arrest by the Indian authorities, soon after he completed his first college degree at Baraumlla, a district town in Kashmir. In college, Butt was a student activist. The last letter in *Shaur-e-Farda*, written two decades later, is to Dr. Farooq Haider, on September 8, 1983, from the death row in Tihar Jail, India.

From reading ***Shaur-e-Farda***, Mabqool Butt comes across as a man with a clear and focussed vision. His three character traits stand out. First, is his positive frame of mind. Second, his understanding and dedication to Kasmiris' emancipation struggle. And, third his firm religious faith. There is no contradiction between what Maqbool Butt said he would do and what he did. This quality of character, with no gap between the spoken words and deeds done is uncommon. No wonder then lesser men who rule Pakistan want to muzzle his words just as their counterparts across the border in India snuffed his life.

The positive mindset of Butt is evident in most letters. One example in his letter on March 6, 1980 to Mohammad Arif Malik, from Central Jail New Delhi. Malik apparently expressing regret at his inability to get Butt our from captivity recited an Urdu "*shar*" (verse). Maqbool in his reply asks Malik to not be despondent. But in a manner so characteristic of all his writings, *"Hami Khabar Hai Ki Ham Hain Charag Akir Shab; Hamari Badd Andera Nahi Oogala Hai"*. Translation: Aware I am of being like a candle lit at last stages of the night; following me there is not darkness but light

Despite the long and lonely jail time, Butt maintained his positive outlook. In a letter on April 30, 1981 to Dr. Farooq Haider Butt alludes to the difficult jail life as a top security prisoner. Butt notes that he maintains his sense of humor and does not want to burden his friends with the description of his difficulties. In another letter to Ikram Ullah Jaswal on May 2, 1980 in his apology for delay in writing Butt hints at the condition of his captivity. To obtain writing privilege he had to file a write petition in the Indian High Court. Repeatedly Butt, confined in jail cell for years on end, through his letters encourages his colleagues on the outside to not be despondent, to channel desperation due to set backs

MAQBOOL BUTT AND SHAUR-E-FARDA

(Rafique A. Khan - Los Angeles. U.S.A.)

Every year since 1984, 11th day of February in Kashmir is a day of protest strikes. Each year more mythology is added and the legend of Maqbool Butt expands. Maqbool Butt may some day join the ranks among the "*rishis*" (sages) of Kashmir who are believed to have such powers that they could travel by air mounted on a stone boulder when their mounts tired. Maqbool Butt, founder of Jammu and Kashmir Liberation Front (JKLF), was jailed for half his adult life by authorities in India, in Pakistan and, in Kashmir on both sides of areas occupied b the two countries. In 1984, on February 11, the Indian government hung and buried him in Tihar Jail, Delhi, two weeks shy of his 46th birthday. The Indians convicted and killed Butt as an enemy agent. Authorities in Pakistan accused him of being an Indian agent. Alastair Lamb the noted research writer on Kashmir describes Maqbool Butt as "a charismatic but some what mysterious figure". Farooq Abdullah in 1974 fraternized with Butt in Azad Kashmir and decade later endorsed his death sentence, as chief minister of Indian occupied Kashmir. He dubbed Butt "a romantic-like Che Guevara". Was Butt a double agent or father of the born-again Kashmiri nation as some Kashmiris' recognized him. Now we can tell.

Letters written by Butt over a period of twenty years are assembled in a book by Muhammad Saeed Asad of Mirpur, Azad Kashmir. The book is banned by Pakistan government. Because, according to the Pakistan authorities, in the book "an attempt has been made to promote nationalist feelings among Kashmiris of Azad Kashmir". Azmat Khan of Jammu Kashmir Liberation Front in London has information on Maqbool Butt on the Internet (http://www.jklf.com). Raja Muzzaffar, a collegue of Maqbool Butt, who now is in New York, provided additional information and a copy of *Shaur-e-Farda.* Piecing the information we have a mirror to see Maqbool Butt.

Maqbool Butt appears like a patriotic Kashmiri who strived to bring dignity and freedom to his homeland. His countrymen for the most part ignored his efforts. In Kashmir, the urban elite dominates polity. The elite has medieval mentality; corruption and nepotism are its main stay. Maqbool Butt was born in a small village. He began his politics as a teen; his political life span was less than three decades. he did not compromise his values and did not scum to corruption. So his twenty years of efforts to change by revolution the entrenched two hundred plus years of medieval polity in Kashmir was like a rain shower on a swamp Covered with elegy.

مادرِ وطن کی آزادی اور حرمت کی خاطر جانیں قربان کرنے والوں کے فکرو کردار کو منظرِ عام پر لانے کے لیے محمد سعید اسعد کی تحقیقی کاوشیں قابلِ ستائش ہیں۔ شہید کشمیر مقبول بٹ شہیدؒ کے افکار ونظریات کو نئی نسل تک پہنچانے میں موصوف کا کردار نمایاں ہے۔ کشمیر پر قابض پڑوسی ممالک نے مقبول بٹ شہید کو پسِ دیوار زنداں رکھا اور بعد از شہادت ان کی فکر کو قید کرنے کی کوشش کی لیکن سعید اسعد جیسے باغیرت اور ہوش مند بیٹوں کی کاوشوں نے دونوں دشمنوں کو ناکام ونامراد کردیا۔

محمود کشمیری (بریڈفورڈ)

شعور بذاتہٖ ایک قوت ہے اور قوت کا سرچشمہ ہے۔ کشمیری عوام کو فکروشعور کی قوت عطاء کرنے میں محمد سعید اسعد کا کردار نئی نسل کے لیے ایک تابندہ مثال ہے۔ سعید اسعد کی تحقیقی وتخلیقی کاوشوں نے کشمیر کی نئی نسل کو علم، شعور اور روشنی کا نور عطاء کیا ہے۔

ڈاکٹر شبیر چوہدری (لندن)

خطروں میں محصور اور جذبوں سے معمور کشمیر کی نئی نسل کو شعورِ فردا عطاء کرنے والے شہید کشمیر مقبول بٹ کے خطوط کا مطالعہ عرفان وآگہی میں اضافے کا وسیلہ ثابت ہوگا۔ نئی نسل جناب سعید اسعد کی ممنون احسان ہے۔ مولف نے عرق ریزی اور محنت سے شہید کشمیر کے خطوط کو کتابی شکل میں جمع کر کے ایک ناگزیر قومی ضرورت کی تکمیل کی ہے۔

پروفیسر نذیر انجم (میرپور)

''شعورِ فردا'' ایک گراں مایہ اور عدیم المثال تحفہ ہے۔ یہ تخلیق تاریخ تحریکِ آزادی کشمیر کا ایک مستند باب ثابت ہوگی اور اس شمع سے کئی اور شمعیں روشن ہوں گی۔ مجھے اس دستاویز نے وہ انمول تحفہ عطاء کر دیا ہے جو اس سے قبل کوئی اور کتاب یا تحریر نہ دے سکی۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبد (نیویارک)

- چالیس احادیث نبوی ﷺ
- [illegible]
- معلومات جموں کشمیر
- کشمیر، قائدِ اعظمؒ اور کے ایچ خورشیدؒ
- غیرتِ کشمیر
- شعورِ فردا
- خطباتِ خورشید
- جلال وجمال
- کشمیر کی لوک کہانیاں
- جموں کشمیر بُک آف نالج
- منگلا ڈیم، خطرناک توسیعی منصوبہ
- گلگت بلتستان، تاریخی آئینی حیثیت
- کشمیر ہمارا وطن
- کشمیریات (حصہ اول)
- [illegible]
- کے ایچ خورشید، یادیں باتیں
- AJK Tourists Guide Map
- کیپٹن محمد یونس شہیدؒ
- Map of State Jammu Kashmir
- [illegible]
- Tourist Guide Map of Mirpur Dist.
- خراجِ عقیدت
- Tourist Guide Map of Mirpur City.
- وحدت مارچ